شریعت، طریقت اور اجتماعیت پر مبنی دینی شعور کا نقیب

ماہنامہ رحیمیہ لاہور

مدیرِ اعلیٰ: حضرت اقدس مولانا مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری
جانشین حضرت اقدس رائے پوری رابع

بانی: حضرت اقدس مولانا
شاہ سعید احمد رائے پوریؒ
قدّس اللّٰہُ سِرّہٗ السّعید
مسند نشین رابع خانقاہِ عالیہ رحیمیہ رائے پور

رحیمیہ کا انگلش ایڈیشن ہماری ویب سائٹ پر پڑھا جاسکتا ہے۔

اگست 2013ء / رمضان، شوال 1434ھ – جلد نمبر 5، شمارہ نمبر 8 – قیمت فی شمارہ: مبلغ 20 روپے – سالانہ ممبر شپ: مبلغ 200 روپے – تین سالہ ممبر شپ: مبلغ 500 روپے

مجلس ادارت
سرپرست: ڈاکٹر مفتی سعید الرحمٰن
صدر: مفتی عبدالمتین نعمانی
مدیر: محمد عباس شاد

- درسِ قرآن
- درسِ حدیث
- خطبات و بیانات
- دینی مسائل

اداریہ
- یومِ آزادی؟
- ولی اللّٰہی تحریک اور حضرت رائے پوریؒ
- تعزیتی تأثرات بروفات حضرت رائے پوری رابعؒ
- صدقۂ فطر اور عید الفطر کے احکام و مسائل
- اسلامی فلاحی ریاست کا تصور
- بجٹ 14-2013

ارشادِ گرامی حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری قدس سرہ

مسند نشینِ ثانی
خانقاہِ عالیہ رحیمیہ رائے پور

فرمایا: ’’اصل میں خلوص و اصلاح اور تہذیبِ اَخلاق کے لیے عشق و محبت ضروری ہے۔ اس کے بغیر کوئی خلوص، اصلاح اور تہذیبِ اَخلاق نہیں ہوتی اور نفس کا ہی حصہ رہتا ہے۔ اور محبت سے ذکر اور کم از کم تین چلّے باقاعدہ ذکر اور صحبت سے کیے جائیں اور اگر خدا کو منظور ہو، کچھ نہ کچھ ہو ہی جاتا ہے۔ اور محبت ہی اصلاحِ نفس، تہذیبِ اَخلاق اور خلوصِ نیت کا ذریعہ ہے۔‘‘

مولانا حبیب الرحمٰن رائے پوری نے عرض کیا کہ: باقاعدہ ذکر سے کیا مراد ہے؟ فرمایا کہ: ’’جیسا تم پابندی سے کرتے ہو، اب کچھ کچھ تمہارا ذکر مؤثر ہونے لگا ہے، ورنہ پہلے یونہی تھا۔ مگر تم کسی تحریک وغیرہ سے متأثر ہو کر بیچ میں چھوڑ دو گے تو پھر ویسا ہی ہو جائے گا۔ اس لیے تین چلّے تو جیسے کیسے بھی ہو، دل جمعی سے لگاؤ۔ پھر خواہ تحریک میں حصہ لو یا کوئی اور دینی اور جائز دُنیوی کام ہو، وہ سب اور حیثیت سے ہوگا۔‘‘

(مجلس 28/ محرم الحرام 1366ھ / 23/ دسمبر 1946ء، ڈھڈیاں) (ارشاداتِ حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ، ص: 150۔ طبع: مکتبہ رشیدیہ، لاہور)

ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ (ٹرسٹ)
رحیمیہ ہاؤس، 33/A کوئینز روڈ (شارع فاطمہ جناح) لاہور
092-42-36307714,36369089-www.rahimia.org
Email: info@rahimia.org

کراچی کیمپس
رحیمیہ ہاؤس 9/A، سینٹر پوائنٹ سوسائٹی، بلاک نمبر 21
راشد منہاس روڈ، فیڈرل بی ایریا، کراچی
0092-21-36321616,36320707

راولپنڈی کیمپس
رحیمیہ ہاؤس، N.A-7، سیونتھ روڈ
سیٹلائٹ ٹاؤن، راولپنڈی
0092-51-4581357-58

ملتان کیمپس
رحیمیہ ہاؤس 30/A، سٹریٹ نمبر 2، خان کالونی
چونگی نمبر 7، ایل ایم کیو روڈ، ملتان
0092-61-6212021

سکھر کیمپس
فلیٹ نمبر 111, 1st فلور، رائل اپارٹمنٹ
ریس کورس روڈ، سکھر
0092-71-5615185

درسِ قرآن

تشریح: امام انقلاب حضرت مولانا عبید اللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ

لیلۃ القدر کی حقیقت

إِنَّآ أَنزَلْنَٰهُ فِى لَيْلَةِ ٱلْقَدْرِ ۝ وَمَآ أَدْرَىٰكَ مَا لَيْلَةُ ٱلْقَدْرِ ۝ لَيْلَةُ ٱلْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ شَهْرٍ ۝ تَنَزَّلُ ٱلْمَلَٰٓئِكَةُ وَٱلرُّوحُ فِيهَا بِإِذْنِ رَبِّهِم مِّن كُلِّ أَمْرٍ ۝ سَلَٰمٌ هِىَ حَتَّىٰ مَطْلَعِ ٱلْفَجْرِ ۝ (1-5:97)

(ہم نے اُس کو اتارا شبِ قدر میں۔ اور تو نے کیا سمجھا کہ کیا ہے شبِ قدر۔ شبِ قدر بہتر ہے ہزار مہینے سے۔ اُترتے ہیں فرشتے اور روح اُس میں اپنے رب کے حکم سے ہر کام پر امان ہے وہ رات صبح کے نکلنے تک)

قرآن مجید کی پہلی سورت شبِ قدر میں نازل ہوئی۔ لیلۃ القدر کا اگر آج کی زبان میں ترجمہ کیا جائے تو کہا جائے گا کہ حظیرۃ القدس (عرش کے نیچے مقدس مقام) میں آئندہ کے بجٹ کی میٹنگ میں ایک کام پیش ہوتا ہے اور پھر اس پر فیصلہ ہوتا ہے۔ تو یہ کام جو حظیرۃ القدس میں پیش ہوا، ایک ہزار ماہ کے لیے ہوا ہے۔ غرض اس مجلس میں قرآن کے نازل ہونے کا فیصلہ ہوا تو قرآن مجید کا مکمل نقش ایک ہزار ماہ تک دنیا میں قطعی طور پر کامل ہو کر رہے گا۔

ہماری سمجھ میں ایک سال دس ماہ کا ہوتا ہے، رمضان اور ذی الحج کے دو ماہ اس عملی وقت میں شمار نہیں ہوتے۔ انھیں چھٹی کے دو ماہ سمجھنے چاہئیں۔ سال میں عملی مہینے دس ماہ سمجھیں تو اس طرح ہزار مہینے ایک سو سال کے برابر ہو جائیں گے۔ ہمارا خیال ہے کہ اس لیلۃ القدر کی رات میں سو سال کے کام کا فیصلہ تھا تو فیصلے کی رات اس زمانے سے بہتر ہونی چاہیے۔ یعنی پروگرام بنانے والی رات اس زمانے سے تو اچھی ہے، جس زمانے میں یہ کام عملی طور پر شروع کر دیا جائے۔ کیوں کہ مصمم ارادہ کرنے سے آدھے سے زیادہ کام ہو جاتا ہے۔

غرض کہ جس وقت یہ فیصلہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا تو آپؐ نے اپنی فطرت کے مطابق اس پر عمل کیا۔ آپؐ کی فطرت یہ تھی کہ جب علم ہو جائے کہ اللہ کی طرف سے فلاں فیصلہ ہے تو آپؐ اپنی پوری قوت اس کام کے سرانجام دینے میں صَرف کر دیتے تھے اور پوری طرح اللہ تعالیٰ کے حکم کے آگے جھک جاتے تھے۔ غرض یہ رات زمین پر بھی ہزار مہینے سے بہتر ہے۔ کیوں کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ بھی اسی طرح مکمل ہے، جس طرح ملاءِ اعلیٰ میں مکمل فیصلہ ہوا۔ اس مصمم فیصلے کا یہ اثر ہوتا ہے کہ ہر قسم کا کام کرنے والے کارکن فرشتے اور روح اس ہزار مہینے کا کام کرنے کے لیے اسی وقت نازل ہو جاتے ہیں۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کام کی بنیاد ڈالنی شروع کر دیتے ہیں اور تمام شعبوں میں کام کرنے لگ جاتے ہیں اور اس کام کے مَبادی، شُروط اور عِلَل کے مہیا کرنے میں وہ فوراً اپنا کام شروع کر دیتے ہیں اور وہ کام ایک ہزار ماہ میں پوری طرح مکمل ہو جاتا ہے، جیسا کہ فیصلہ ہوا تھا۔

اس رات میں جس کام کی بنیاد رکھی جاتی ہے، اس میں کامیابی ہی کامیابی ہے، یعنی سلامتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کام کرنے میں ناکام بنانے والی کوئی طاقت آ ہی نہیں سکتی۔ اس لیے کہ لوگوں (انسانیت) میں روحانیت اور ملکیت کی تِشنگی بجھانے کا احساس اس رات نازل کر دیا گیا۔ اب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سو برس کے عرصے میں کوئی چیز تم کو ناکام نہیں بنا سکے گی۔ مطلع الفجر سے اگر قیامت مراد لی جائے تو معنی ہوں گے کہ ملکیت اور روحانیت کی تشنگی انسانوں میں نازل ہوتی رہے گی۔ ملکیت کا تقاضا ہے طہارت اور عدالت کا احسن نظام۔ روحانیت کا تقاضا ہے تعلق باللہ اور اس کے نور میں فنائیت۔ اگر فقط روحانیت ہے تو یہ رہبانیت بن جاتی ہے۔

درسِ حدیث

تشریح: حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

عید کی دینی اور سماجی بنیادیں

قدم (رسول اللّٰہ) صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم المدینة. و لهم یومان یلعبون فیهما. فقال: "ما هذان الیومان؟" قالوا: کُنّا نلعب فیهما فی الجاهلیة. فقال: "قد أبدَ لَکم اللّٰہ بهما خیراً منهما، یوم الأضحی، و یوم الفطر."

(اخرجهٔ ابو داؤد فی الصلوٰة. باب صلوٰة العیدین. ج:2. ص:27)

(جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو اہل مدینہ کے دو دن ایسے تھے، جن میں وہ کھیلتے تھے۔ آپؐ نے پوچھا: "یہ دو دن کیسے ہیں؟" انھوں نے کہا: دورِ جاہلیت میں ہم ان دنوں میں کھیلتے تھے۔ آپؐ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے تمھیں ان کے بدلے میں زیادہ بہتر دن دیے ہیں؛ عید الاضحیٰ اور عید الفطر کا دن۔")

ہر قوم کے لیے ایک دن ہوتا ہے، جس میں وہ عمدہ لباس پہنتے اور زیب و زینت کرتے ہیں اور اپنے شہروں سے بن سنور کر نکلتے ہیں۔ یہ ایک ایسا رواج اور عادت ہے کہ عرب و عجم کے تمام لوگ اسے اختیار کیے ہوئے ہیں۔ جاہلیت کے ایام، نیروز اور مہرجان کے دو دن تھے، انھیں عید الفطر اور عید الاضحیٰ میں بدل دیا گیا۔ اس لیے کہ لوگوں کی ہر عید کا کوئی سبب ہوتا ہے۔ یا تو شعائرِ دین کی عظمت مقصود ہوتی ہے یا ائمہ مذہب کی مشابہت اختیار کی جاتی ہے یا اس سے مشابہ کوئی چیز مقصود ہوتی ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں دو ایسے دن عطا کیے کہ جن میں ملتِ حنیفیہ کے شعائر کی تعظیم پائی جائے اور زیب و زینت کرنے کے ساتھ ساتھ ذکر اللہ اور عبادات کے دوسرے امور بھی لگا دیے، تاکہ مسلمانوں کا اجتماع محض کھیل کود کے لیے ہو کر نہ رہ جائے، نیز ان کا اجتماعی عمل اعلائے کلمۃ اللہ سے خالی نہ رہے۔

ان دو ایام میں سے ایک دن عید الفطر ہے، جو روزوں کو مکمل کرنے پر آتا ہے اور اس دن میں فطرانہ بھی ادا کرتے ہیں۔ اس دن لوگوں کو اس لیے طبعی خوشی حاصل ہوتی ہے کہ روزوں کے پُرمشقت کام سے فارغ ہوئے اور یہ کہ انھوں نے ایک محتاج آدمی کی خدمت کی۔ اور انھیں ذہنی اور عقلی طور پر یہ اطمینان بھی ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر یہ بڑا انعام کیا کہ انھیں فرض کی گئی عبادت کی ادائیگی کی توفیق ہوئی۔ نیز اللہ تعالیٰ نے فطرانے کی ادائیگی کا حکم دے کر ان کے بال بچوں کو آئندہ سال تک باقی رکھنے کا فضل فرمایا۔...

ہر ملت کا ایک دن ضرور ہوتا ہے، جس میں اہل ملت جمع ہوتے ہیں، تاکہ ان کی شان و شوکت سامنے آجائے اور ان کی کثرت معلوم ہو جائے۔ یہی وجہ ہے کہ عیدین کے موقعوں پر تمام لوگوں، حتیٰ کہ عورتوں اور بچوں کا عیدگاہ میں حاضر ہونا مستحب ٹھہرا، تاکہ وہ مسلمانوں کی دعا میں شریک ہوں۔ عید کے دن اجتماعی طاقت کے مظاہرے اور شان و شوکت ہی کی وجہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم (عیدگاہ) جاتے اور آتے وقت راستہ بدل دیتے تھے، تاکہ دونوں راستے والوں پر مسلمانوں کی شان و شوکت ظاہر ہو جائے۔..

عید کی اصل یہ ہے کہ اس دن عمدہ لباس پہنا جائے اور زیب و زینت اختیار کی جائے۔ اور دین کے غلبے کا اظہار کیا جائے۔ اس لیے اچھا لباس پہننا، شان و شوکت کا اظہار کرنا اور اکٹھے اجتماعی طور پر راستہ بدل کر عیدگاہ کی طرف جانا مستحب ہے۔ عید الفطر کے دن نماز سے پہلے کچھ میٹھا کھانا اور محتاجوں کو فطرانہ ادا کرنا بھی ضروری ہے۔

اداریہ

یومِ آزادی ؟

ہر سال اگست کا مہینہ آتے ہی جشن آزادی کے چرچے، سرکاری سطح پر یومِ آزادی کی تقریبات کی شان وشوکت اور چودہ اگست کی اہمیت پر بھاری بھرکم تقاریر اور جوشیلے وبھڑکیلے ملّی نغمے سن سن کر قوم کے کان پک چکے ہیں، لیکن حقیقی آزادی کا کہیں دور دور تک بھی نام ونشان نہیں ہے۔ قیامِ پاکستان کے شروع سالوں میں تو یہ سب کچھ بہت سُہانا لگتا تھا، آزادی کے سُروں پر لوگ گاتے اور ملّی نغموں کی دُھنوں پر جھومتے تھے، لیکن جیسے جیسے لوگوں کا شعور بلند ہونے لگا اور ان کے گردوپیش کے حالات نے انھیں آزادی کے حقیقی مفہوم کی طرف توجہ دلائی تو جھوٹی آزادی کے نعرے دم توڑنے لگے ہیں اور ملّی نغموں کے جوشیلے اشعار اپنی موت آپ مر رہے ہیں۔ اب چودہ اگست کا جوش وجنون ٹھنڈا ہونے لگا ہے اور لوگ حقیقی آزادی مانگ رہے ہیں، جو ابھی بہت دور ہے۔ آج دنیا کے نقشے پر پاکستان ایک بے ہنگم ہجوم کے علاوہ کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ وہ آزاد قوموں کی صف میں بہت پیچھے کھڑا ہے۔ اس کے باسی بنیادی انسانی حقوق سے محروم ہیں، بم دھماکوں سے گرتی روزانہ سینکڑوں لاشیں، کراچی میں ہوتی روزانہ کی بے نام موتیں، ڈرون حملوں کی نشانہ بازی کے شکار انسان، صاف پانی کی قلت، بجلی سے محرومی، جعلی ادویات، مذہبی ولسانی منافرت کا شکار ہوتی ہزاروں جانیں اپنی بدنصیبی کا ماتم کر رہی ہیں، لیکن حکمران ''جشن آزادی'' منانے میں مصروف ہیں۔

آپ ذرا غور فرمائیں کہ کیا ہم واقعی آزاد ہیں؟ کیا بحیثیتِ ریاست ہم اتنے آزاد ہیں کہ اپنی خارجہ پالیسی خود بنا سکیں؟ کیا ہماری پارلیمنٹ اتنی آزاد ہے کہ وہ عوامی اُمنگوں کے مطابق قانون سازی کر سکے؟ کیا ہمارے سول اور عسکری ادارے اتنے آزاد اور خودمختار ہیں کہ وہ اپنی سرحدوں کی حفاظت کر سکیں؟ سرحدوں کا دفاع تو دُور کی بات ہے، کیا وہ ملکی حدود میں گھس کر شہریوں کو قتل کرنے والے ڈرون طیاروں کے حملوں کو رُکوا سکتے ہیں؟ اگر ہم دیانت داری سے اپنی حالت کا جائزہ لیں تو ہمیں یہ صاف نظر آتا ہے کہ نہ ہم ابھی آزاد ہوئے ہیں اور نہ ہی ہمیں خودمختاری ملی ہے۔ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ فرنگی استعمار بظاہر واپس چلا گیا، لیکن جاتے ہوئے ایک غلام ریاستی ڈھانچہ بھی ہمارے سپرد کر گیا، اس طرح اس نے اپنے استعماری نظام سے ہمیں آزادی نہیں دی۔ آج ہم غلامی کے دور کے تعلیمی نظام سے گزار کر اپنی بیوروکریسی تیار کرواتے ہیں، غلام دور کا عدالتی نظام ہمیں جج اور وکیل فراہم کرتا ہے، سامراج کے تربیت یافتہ حکمران اور سیاست دان ہمارے ریاستی اور انتظامی اداروں کو چلاتے ہیں اور ہم یومِ آزادی منا کر اپنے آپ کو دھوکہ دیتے ہیں۔

ہمیں تاریخ یہ پڑھائی گئی کہ ہندو اور مسلمان دو مختلف قومیں ہیں، جو اکٹھی نہیں رہ سکتی تھیں، اس لیے مسلمانوں کے مذہبی حقوق کی حفاظت کے لیے برصغیر پر مشتمل اس عظیم خطے کی تقسیم عمل میں آئی۔ اگر مکہ مکرمہ و مدینہ منورہ سمیت دنیا بھر کے ممالک میں مسلمان، یہود و نصاریٰ اور دیگر مذاہب کے لوگ اپنے تمام تر انسانی و مذہبی حقوق کی ضمانت کے ساتھ اکٹھے رہ سکتے تھے تو پھر ہندوستان میں ہندو اور مسلمان ایک ساتھ کیوں نہیں رہ سکتے تھے؟ اور اگر ہندوستان میں مسلمانوں پر زیادتیاں ہندو اکثریت کی طرف سے ہی کی جارہی تھیں اور ایک الگ خطۂ زمین ہی ان کے مذہبی حقوق کی حفاظت کے لیے ضروری تھا تو پھر آج اس خطۂ زمین کے حصول کے 67 سال بعد بھی پاکستانیوں کو اُن کے مذہبی وانسانی حقوق سے محروم کیوں رکھا گیا ہے؟ مذہب کا وجود دلوں کو جوڑنے کا سبب تو بن سکتا ہے، دلوں کو توڑنے اور خطوں کو تقسیم کرنے کا کام نہیں کرتا۔ اگر دنیا کے ہر ملک کی بنیاد اسی قسم کے نظریوں پر تعمیر کی جانے لگے تو اس دنیا کا وجود زیادہ دیر تک قائم نہ رہ سکے۔ یہ زمین ایک خوف ناک جنگ کا نظارہ پیش کرنے لگے، ہر کوئی اپنے اپنے مذہبی حقوق کے مطالبات لیے زمین کے بٹوارے کرنے لگے۔

اس خطے کی تاریخ وسیاست میں ولی اللّٰہی جماعت نے اپنی رائے میں کبھی ٹھوکر نہیں کھائی۔ وہ آزادی کی جنگ میں ہراول دستے کے طور پر شریک رہی اور اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھی، جب تک استعمار اس خطے سے نکل نہیں گیا، ایک انصاف پسند مؤرخ تحریکِ آزادی میں ان کے کردار کو نظرانداز نہیں کر سکتا۔ ہماری بدقسمتی ہے کہ اس ملک میں جب بھی تحریکاتِ آزادی کی تاریخ مرتب ہوتی ہے تو ریاستی دانش ور اپنی من پسند تاریخ مرتب کرتے ہیں اور آزادی کے حقیقی حریت پسندوں اور جاں بازوں کو عمداً نظرانداز کر دیا جاتا ہے۔ ہمارے ریاستی دانش وروں کی تاریخ علی گڑھ سے شروع ہو کر چودہ اگست پر ختم ہو جاتی ہے، جب کہ ولی اللّٰہی جماعت نے جو تحریکِ آزادی حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ، حضرت سید احمد شہیدؒ اور حضرت شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ اور ان کے رفقاءِ کار نے شروع کی تھی، وہ آج بھی جدید نوآبادیاتی دور کے استعماری نظاموں کے خلاف جاری رکھے ہوئے ہے۔

ولی اللّٰہی مفکرین نے تاریخ کے اس مشکل موڑ پر قوم کو فرقہ وارانہ مسائل میں اُلجھانے کے بجائے آزادی اور حریت، عدل وانصاف، امن وامان، معاشی خوش حالی کے حصول کے لیے قومی جمہوری راستے سے اپنے قومی اور بین الاقوامی مسائل حل کرنے کا شعور دیا تھا، جس کو ایک مخصوص ذہنیت نے اپنے فرقہ وارانہ جذبات کے ٹھٹھا و مذاق میں اُڑا دیا تھا، مگر آج مسائل کے بھنور میں ہچکولے کھاتی کشتی کے مسافر اِس اعتدال پسند، انسان دوست قیادت کی نظریاتی گہرائی اور سماجی بصیرت کو حق بجانب سمجھتے ہوئے ان کے افکار وخیالات کو اس خطے کے مسائل کا پائیدار حل خیال کر رہے ہیں۔

گزشتہ سال ملک کے ایک بہت بڑے اور معروف نشریاتی ادارے نے تقسیم ہند اور مابعد سیاسی ومعاشی اثرات، خارجہ اور داخلہ مشکلات پر ولی اللّٰہی قافلے کے ایک عظیم حریت پسند رہنما کے افکار وخیالات کو اپنے چینل سے پیش کیا۔ اور اس میں آزادی اور حریت کی روح پھونکنے والے عظیم رہنما کی سیاسی بصیرت کو خراجِ تحسین پیش کیا تھا۔ یہ امر اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ خطے کی گزشتہ سو سالہ تاریخ میں قوم کے ایک مخصوص طبقے سے جو سنگین غلطیاں ہوئی ہیں، وہ اس پر نہ صرف نادم ہے، بلکہ وہ موجودہ مسائل کی سنگینی کو اِن بزرگوں کے خیالات کے ذریعے محسوس کر رہا ہے۔ اس موقع پر اینکر پرسن نے پاکستانی مقتدرہ کے سامنے یہ سوال بھی اٹھایا کہ کیا وہ اس عظیم رہنما کی پیش گوئیوں کو غلط ثابت کرنے کی اہلیت رکھتے ہیں؟ اگر ایسا نہیں تو پھر اُن کی سیاسی بصیرت کو تسلیم کیے بغیر کوئی چارۂ کار نہیں۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم آج نوجوان نسل کو تاریخ کے پورے حقائق بتائیں اور تاریخ میں پیدا کیے گئے فکری مغالطوں کو دور کریں۔ ہمارے تعلیمی اداروں کو سابقہ ہٹ دھرمی ترک کرتے ہوئے ولی اللّٰہی مفکرین کے افکار ونظریات کو نصاب کا حصہ بنانا چاہیے، تاکہ نوجوان نسل آج کے دور میں آزادی کے حقیقی شعور سے آگاہ ہو اور نئے عزم کے ساتھ پاکستان کی حفاظت کرتے ہوئے یہاں موجود استعماری نظام کے خلاف مزاحمتی شعور بیدار ہو۔ (مدیر)

خطبات و بیانات

افادات: حضرت اقدس مولانا مفتی شاہ عبدالخالق آزاد رائے پوری دامت برکاتہم العالیہ
جانشین حضرت رائے پوری رابعؒ و مسند نشین خانقاہِ عالیہ رحیمیہ رائے پور

(مشائخ رائے پور اپنے اندازِ تربیت میں ایک منفرد حیثیت کے حامل ہیں، وہ ہمیشہ خلقِ خدا کی دینی اور اخلاقی تربیت میں انتہائی توجہ فرماتے رہے ہیں۔ اُن کے ہاں جہاں قلوب کی تطہیر اور صفائی کے لیے مجالس ہائے ذکر کا اہتمام رہتا ہے، وہاں ذہنوں کی آبیاری کے لیے علمی و فکری نشستوں اور اجتماعات کا اہتمام بھی ہوتا ہے۔ ذیل میں ہم خانقاہِ عالیہ رحیمیہ رائے پور کے پانچویں مسند نشین حضرت اقدس شاہ عبدالخالق آزاد رائے پوری دامت برکاتہم العالیہ کے بیانات، خطبات اور افادات کا خلاصہ اور رپورٹ پیش کرتے ہیں۔ اس بار ہم ان کے بالترتیب دو خطبات کی رپورٹ پیش کر رہے ہیں۔ مندرجہ ذیل خطبات میں انسانی روح اور جسم کے تقاضوں اور ان کی قرآن حکیم کی تعلیمات کے تناظر میں تکمیل کے حوالے سے گفتگو کی گئی ہے۔ مدیر)

حضرت اقدس مولانا مفتی شاہ عبدالخالق آزاد رائے پوری دامت برکاتہم العالیہ نے 31/ مئی 2013ء کو ادارہ رحیمیہ راولپنڈی کیمپس میں نمازِ جمعہ کے شرکا سے خطاب کرتے ہوئے خطبہ مسنونہ کے بعد دینی تعلیمات کی جامعیت کے حوالے سے گفتگو کرتے ہوئے فرمایا:

دین اسلام کی تعلیمات انسانی زندگی کی دُنیوی اور اُخروی کامیابی کا واضح پروگرام پیش کرتی ہیں۔ انسان کی ترقی کا یہ پروگرام اتنا ہی جامعیت کا حامل ہے، جتنی انسانیت ہمہ گیر ہے، اسی لیے ایسا پروگرام انسان کو ترقی کی راہ طے کرواتا ہے۔ انسان جسم و روح دونوں کا مجموعہ ہے، ان دونوں کی ترقی کا معیار ہے؟ قرآن اس کا تعین کرتا ہے۔ قرآن کا موضوع انسان اور اس کا معاشرہ ہے۔ جسمانی حوالے سے اس کی قریب ترین مخلوق حیوان ہے اور روحانی حوالے سے اس کی قریب ترین مخلوق فرشتے ہیں۔ اس میں حیوانیت بھی ہے اور ملکیت بھی ہے۔ حیوانیت اور ملکیت کے مجموعے کا نام انسان ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان نے نہ تو محض حیوان بننا ہے اور نہ محض فرشتہ بننا ہے، بلکہ ان دونوں کے درمیان رہنا ہے۔

حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں کہ انسان کا سب سے بڑا فتنہ یہ ہے کہ وہ حیوانی خصلت و عادت کو اپنا لے۔ بظاہر انسان دو ٹانگوں پر چلتا ہے، لیکن اس کی عادات، اس کا معاشرہ جانوروں والا ہو جائے اور جنگل کے قانون کی طرح کام کرے۔ اس معاشرے کی خصوصیات جانوروں کی طرح بن جائیں، یہ بہت بڑا فتنہ ہے۔ اسی طرح اگر انسان اپنی انسانیت کو چھوڑ کر محض فرشتہ بننے کی کوشش کرے تو یہ بھی بہت بڑا فتنہ ہے۔ اللہ نے فرشتوں کو خلیفہ نہیں بنایا، بلکہ انسان کو بنایا ہے، اس لیے شیطان نے یہ دعویٰ کیا کہ خلافت مجھے ملنی چاہیے، کیوں کہ میں فرشتوں جیسی خصلتوں کا مالک ہوں، لیکن اللہ نے آدم علیہ السلام کو خلافت دی اور ملاءِ سافل کے تمام فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کرو۔ بقول شاہ صاحبؒ: اگر انسان حیوانی تقاضوں کو کلی طور پر ختم کر کے فرشتہ بننے کی کوشش کرے تو یہ بھی بڑا فتنہ ہے۔

اس طرح انسان نے انسان بننا ہے اور اس کی بنیادی ذمہ داری خلافت فی الارض کو پورا کرنا ہے۔ اس سے مراد مخلوق کی مجموعی ترقی کا جو پروگرام اللہ نے دیا ہے، اُسے سرانجام دینا اور دستیاب وسائل اور معروضی حالات کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے ایک ایسا نظام قائم کرنا ہے کہ اس سے مخلوقات فائدہ اٹھا سکیں۔ جب کوئی جماعت یا فرد اس قسم کی جدوجہد کرتا ہے تو ساری مخلوقات جو اس کائنات میں ہیں، اس کے لیے دعا کرتی ہیں، حتیٰ کہ سمندر کی تہہ میں جو مچھلیاں ہیں، وہ بھی اس کے لیے دعا کرتی ہیں۔

کائنات کے مجموعی نظام میں انسانی نقطۂ نظر سے دو ہی راستے ہیں؛ ایک راستہ عدل و امن اور مخلوق کی فلاح و بہبود اور دوسرا راستہ خوف، بھوک و افلاس اور ظلم کا ہے۔ دین اسلام اعلیٰ اخلاقیات، امن و خوش حالی اور عدل کا درس دیتا ہے، جب کہ طاغوتی اور شیطانی قوتیں انسانیت دشمنی، جنگ و جدل اور ظلم کرنے کی سوچ دیتی ہیں۔ دین اسلام عدل پر مبنی سسٹم کے قیام کی دعوت دیتا ہے، جب کہ دوسری طرف طاغوتی نظام انسان دشمنی کا کردار ادا کرتا ہے۔ دین اسلام نے جتنے افکار و نظریات اور اَخلاق و اَقدار کا ذکر کیا ہے، وہ اسی تناظر میں ہے۔ صفائی، عفت، طہارت، عدالت، معاشی قوانین، سیاسی اصول و ضوابط سورۂ فاتحہ سے والناس تک قرآن نے بیان کر دیے ہیں۔ ان تمام کا تعلق انسانی سماج کے اس عالم گیر نظام کے ساتھ ہے، جو اللہ نے انسان کو دیا ہے۔ دوسری طرف انسان دشمنی، جھوٹ اور ظلم کے رویے ہیں، ان رویوں کے حامل کردار فرعون، ہامان، نمرود، قارون، ابوجہل اور ابولہب، جو اِن اَخلاقی بُرائیوں کا مجموعہ تھے، جن کا ذکر قرآن کرتا ہے۔ قرآن اس بنیادی فکر کو واضح کرتا ہے کہ انسان بننے کے لیے ضروری ہے کہ وہ انسانیت کی بنیادی اقدار، افکار و اعمال اور اخلاق پر تربیت حاصل کرے۔ اللہ نے صرف ان اقدار و اَخلاق اور اعمال و افکار کا ذکر نہیں کیا، بلکہ ان اقدار و اخلاق کے حاملین حضرات انبیا آدم، نوح، ابراہیم، موسیٰ، عیسیٰ علیہم السلام، حضور اکرم ﷺ اور ان کی جماعت کو بطورِ نمونہ انسانیت کے لیے پیش کیا ہے کہ ان کے کردار کو سامنے رکھتے ہوئے ان اخلاق و اقدار کو حاصل کیا جائے۔ قرآن نے یہ بات واضح کی ہے کہ کسی نفس کو ہم نے اس کی طاقت و صلاحیت کے بغیر ذمہ داری نہیں دی ہے لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا (286:2)۔

انسان اگر انسانیت دوستی کا نظریہ رکھے اور ظلم کے نظام سے بچے تو وہ اس ذمہ داری کو پورا کرنے کی صلاحیت حاصل کر سکتا ہے۔ محض کسی چیز کا علم حاصل کر لینا کافی نہیں ہے کیوں کہ کثرتِ علم کنفیوژن پیدا کرتا ہے۔ قلبی جرأت اور ہمت کے ساتھ اس علم کے مطابق عمل کرنا ضروری ہے، کیوں کہ تمام افکار و اعمال کا مرکز دل ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ”خبردار جسم انسانی میں ایک لوتھڑا ہے اگر وہ ٹھیک ہو جائے تو سارا جسم ٹھیک ہو جاتا ہے اگر وہ خراب ہو جائے تو سارا جسم خراب ہو جاتا ہے، خبردار! وہ دل ہے۔“

انھوں نے طاغوتی ماحول میں شیخ رائے پور کی نتیجہ خیز محنت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

حضرت اقدس شاہ سعید احمد رائے پوریؒ کا ہم پر احسان ہے کہ انھوں نے اس ظلم و جبر کے ماحول میں ہمارے دلوں پر دستک دی۔ حضرت نے اپنی پُراثر باتوں سے ہمیں جھنجھوڑا اور ہمیں دینی شعور کے راستے پر لائے۔ انھوں نے ہمیں انسانیت کو ترقی دینے کا نظریہ دیا، انسانیت کے گُر سکھائے، سماجی تبدیلی کا نظریہ اور طریقہ سکھایا، سرمایہ پرستی کے خلاف مزاحمت کا نظریہ دیا۔ جو نظریہ ہمارے سامنے آ چکا ہے، اس میں مزید رسوخ اس لیے بھی حاصل کرنا ہے کہ آج پھر جنگل کے بادشاہ کی صورت میں درندے آپ پر مسلط ہو چکے ہیں۔ تو جتنی طاقت سے شیطان کام کر رہا ہے اتنی طاقت سے آج ہمیں کام کرنے کی ضرورت ہے۔

آج ہم یہ عزم کرتے ہیں کہ حضرت اقدسؒ نے ہمیں جو نظریہ، نظم و ضبط اور ڈسپلن دیا ہے، اس کے حوالے سے ہم اپنی جدوجہد جاری رکھیں گے۔ ہم ہر طرح کی قربانی دینے کے لیے تیار رہیں گے۔ حضرتؒ نے ہمیں جو انقلابی نظریہ دیا ہے، ہم پوری زندگی اس میں لگا دیں گے۔

حضرت اقدس مولانا مفتی شاہ عبدالخالق آزاد رائے پوری دامت برکاتہم العالیہ نے 28ر جون 2013ء کو ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ کے مین کیمپس لاہور میں نمازِ جمعہ کے شرکا سے خطاب کیا۔ اس موقع پر ادارہ رحیمیہ میں 30 روزہ دورۂ تفسیر قرآن حکیم کی افتتاحی تقریب تھی۔ اس لیے آپ نے انسانی زندگی کے لیے قرآن حکیم کی اہمیت پر درجِ ذیل خطبہ ارشاد فرمایا۔

معزز دوستو! دین اسلام کی جامع تعلیمات انسانی زندگی کے جملہ پہلوؤں کے حوالے سے رہنمائی دیتی ہیں۔ انسانیت اللہ کو بہت محبوب ہے۔ اور اسی محبت کا اہم ترین تقاضا یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے پیارے نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر کتابِ مقدس قرآنِ حکیم نازل فرمائی ہے۔ یہ کتابِ ہدایت انسانی زندگی کے تمام شعبوں میں ہماری رہنمائی کرتی ہے۔ قیامت تک آنے والے انسان اس ایک واحد کتاب کی اساس پر دُنیوی اور اُخروی کامیابی کا ایک واضح راستہ اختیار کرسکتے ہیں۔ یہ اللہ کی وہ عظیم ترین کتاب ہے، جو انسانی دل و دماغ میں ایسی عقل وشعور، فہم وبصیرت، زندگی گزارنے کا ایسا جامع طریقہ بیان کرتی ہے کہ جو نہ صرف انسانوں کو اس دنیا میں کامیاب بنانے اور ہر بدلتے دور کے تغیرات کے باوجود انسانی زندگی میں ترقی کی شاہ راہ واضح کرنے کا کام کرتی ہے، بلکہ موت کے بعد کی زندگی میں قبر، حشر اور اس کے بعد کے مراحل میں بھی انسانی زندگی کی کامیابی کی ضمانت دیتی ہے۔

ضرورت صرف یہ ہے کہ اس کتابِ مقدس قرآن حکیم کو صحیح تناظر میں سمجھا جائے اور یہ کتاب جس انداز و اسلوب کے تحت انسانوں سے دنیا میں زندگی بسر کرنے کا مطالبہ کرتی ہے، اس کے مطابق زندگی گزاری جائے۔ کتابِ مقدس قرآن حکیم کا بنیادی موضوع انسانی سماج اور معاشرہ ہے۔ اس کتاب کا مقصد اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی ذات کو فائدہ پہنچانا نہیں رکھا۔ انسانوں اور دیگر مخلوق کے کسی کام سے اللہ کو کوئی فائدہ نہیں۔ یہ کتاب انسانی فائدے کے لیے نازل کی گئی ہے۔ اس کا مقصد انسانیت کو ذلت وضلال سے نکال کر ترقی اور عروج کے منازل طے کرانا ہے۔ اور یہ ترقی اور عروج نہ صرف اس کی عقل، روح اور قلب میں ہو، بلکہ اس کی جسمانی استعداد وصلاحیت میں بھی ہو۔

انسان جسم اور روح کا نام ہے۔ حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں کہ انسانیت بہیمیت اور ملکیت کا مجموعہ ہے۔ اللہ کی جانب سے روح اس کے جسم میں آئی ہے۔ کامیاب انسان وہ ہے، جو انسانی جسم کے مطالبات کو بھی عدل واعتدال اور توازن کے ساتھ پورا کرتا ہے۔ اور انسانی روح کے مطالبات اور تقاضوں کو بھی پورے طریقے پر سرانجام دیتا ہے۔ انسان نہ تو محض روح کا نام ہے، اور نہ محض جسم کا۔ انسان روح اور جسم کا باہمی ملاپ ہے۔ کم از کم اس کرۂ ارض پر انسان آسمان سے نیچے اور زمین کے اوپر اس کے جسم اور روح کا ملاپ ہے۔ جس دن اس کے جسم اور روح کی علاحدگی ہوگی، روح اپنے مقام پر چلی جائے گی اور جسم زمین کے نیچے۔ اس دنیا میں رہتے ہوئے اس کے فرائض اور ذمہ داریاں یہ ہیں کہ یہ اپنے جسم کے تقاضوں کو بھی پورا کرے اور اپنی روح کے تقاضوں کو بھی پورا کرے۔

دین اسلام کے علاوہ جتنے بھی سکول آف تھاٹس ہیں، جتنے بھی مذاہب وادیان اور نظام ہائے حیات ہیں، وہ جسم اور روح کے حوالے سے کسی نہ کسی ایک انتہا کی طرف رُخ کیے ہوئے ہیں۔ فرسودہ مذاہب، یہودیت، عیسائیت، ہندومت یا نفاق کی حالت رکھنے والے مسلمان وہ ہیں، جو مذہب کی ایک ایسی تشریح کرتے ہیں، جس کا تعلق صرف انسانی روح کے ساتھ ہے۔

ان مسخ شدہ مذاہب کے نزدیک انسان صرف روح کا نام ہے اور جسم اس روح کے اوپر ایک پاپ ہے، ایک جرم ہے۔ اس کا کفارہ ادا کرنے کی ضرورت ہے۔ ہندوؤں کے ہاں کفارے کا ایک خاص طریقہ ہے۔ مسخ شدہ عیسائیت کے ہاں کفارے کا اپنا ایک طریقہ ہے۔ مسخ شدہ یہودیت کے تصورات، ان کے اپنی مسخ شدہ مذہبی تعلیمات کے مطابق اور رجعت پسند فرسودہ مسلمان منافقین مذہب کی خودساختہ تعبیر کرنے والوں کے اپنے تصورات ہیں۔ وہ صرف روح کو اہمیت دیتے ہیں۔ جسم کے تقاضوں کو نظرانداز کردیتے ہیں۔

حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں کہ "ھی فتنۃٌ مستطیرۃٌ" یہ ایک پھیلا ہوا فتنہ ہے اور یہ قیامت کے قریب پوری دنیا میں پھیلے گا کہ مذہب کے نمائندے صرف روح کے تقاضوں کی تکمیل کی بات کریں، اور جسم کے تقاضوں کی تکمیل کے حوالے سے جسم دشمنی کا کردار ادا کریں۔ اسی طرح دیگر مادی مذاہب اور نظریات وافکار انسانی جسم کے تقاضوں کی تقویت کی بات کرتے ہیں، لیکن روح کے تقاضے سرے سے نظرانداز کردیتے ہیں۔ وہ انسان کو خالص حیوان کی سطح پر لے جانا چاہتے ہیں، جب کہ انسان دو چیزوں کا مرکب ہے۔ اگر محض مادی اور جسمانی خواہشات پوری کی جائیں اور روح کے تقاضوں کو ملحوظِ خاطر نہ رکھا جائے تو یہ نری حیوانیت ہے۔ مسخ شدہ بہیمیت ہے۔ جانور اور انسان میں کوئی فرق نہیں۔ گویا کہ جو کردار جانور ادا کرتا ہے، وہی یہ انسانی جسم کر رہا ہے۔ کہنے کو انسان ہے، لیکن یا تو وہ درندہ ہے یا بندر اور کتا ہے یا کسی اور بدخصلت جانور کی بُری خصلتوں کا حامل ہے۔ اگر روح کے تقاضوں کی تکمیل نہ کی جائے تو محض جسم کے تقاضے انسانیت کو حیوانیت تک پہنچا دیتے ہیں۔ انسان کا امتحان، آزمائش اور ابتلا یہ ہے کہ اس دنیا میں رہتے ہوئے اُسے ایک تنے ہوئے رسّے پر چلنا ہے۔ ایک طرف روح ہے اور ایک طرف جسم۔ اُسے دونوں کے تقاضے پورے کرنے ہیں۔ یہ آگ اور پانی کا ملاپ ہے۔ جسم کے تقاضوں سے کنارہ کشی اختیار کرکے رہبانیت اختیار کرلی جائے، دنیا میں دیگر انسانوں سے کٹ کر کسی غار اور کھو میں بیٹھ کر کوئی ذکر اذکار کرلیا جائے، بہت آسان ہے۔ یک طرفگی، نہ بیوی بچوں کا کوئی فکر، نہ کوئی لین دین کا جھنجھٹ اور جھگڑا۔ نہ کھانے پینے کا کوئی چکر، تنہائی میں بیٹھ کر جو چاہے مرضی کرتے رہو۔ اور اگر روح کے تقاضوں کی تکمیل چھوڑ کر انسان محض مادی اور جسمانی اور مادی خواہشات کے پیچھے دوڑتا رہے، تو درندہ بن کر جو چاہے مرضی کرتا رہے۔ قرآن کا موضوع انسان ہے، یعنی انسانی روح اور انسانی جسم۔ دونوں کی ضروریات، تقاضے پورے کرنے کے ساتھ ساتھ مجموعی طور پر اس انسانیت کو ترقی کی منازل طے کرانا ہے۔ انبیا علیہم السلام کا یہی ہدف ہے، صحابہ کرامؓ کی یہی جامعیت ہے۔ اولیاء اللہ کی ولایت کا یہی کمال ہے۔

حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں کہ: انسانی روح اللہ کی طرف ایسے ہی کشش رکھتی ہے، جیسے مقناطیس کی طرف لوہا۔ اسی مقناطیس کی فیلڈ کے قریب لوہا لے آئیں، کھنچ کر فوراً اس مقناطیس سے چمٹ جائے گا۔ لیکن شرط یہ ہے کہ وہ لوہا زنگ آلود نہ ہو۔ صاف ستھرا ہو تو کشش برقرار رہے گی، لیکن لوہے پر تہ در تہ زنگ چڑھا ہوا ہے تو کتنا ہی طاقت ور مقناطیس کیوں نہ ہو، وہ لوہے کو نہیں کھینچے گا۔ اس کی طرف اس کی کشش نہیں ہوگی۔ تو اب اگر انسانی قلب زنگ آلود ہوجائے تو اللہ کی طرف اس کی کشش ختم ہوجاتی ہے۔ اور اگر وہ اچھا عمل کرتا ہے تو آپؒ فرماتے ہیں کہ: دل پر ایک سفید نقطہ لگ جاتا ہے۔ دوسرا اچھا عمل کیا، دوسرا لگ گیا، تیسرا سفید نقطہ لگ گیا، مسلسل اچھے اعمال کے نتیجے میں دل صاف ستھرا ہوجاتا ہے۔ اور جتنا یہ صاف شفاف ہوگا، اُتنا ہی اس کی کشش اللہ کی طرف ہوگی، قرآن حکیم اسی روح کی ترقی کے

اصول اور ضابطے بتلاتا ہے۔ اس کی حکمتِ عملی اور طریقۂ کار متعین کرتا ہے۔ پورا قرآن حکیم خدا پرستی اور انسان دوستی کی تشریح و تعبیر ہے۔ انسانی دلوں میں خدا پرستی کیسے پیدا ہو، اللہ کی محبت کیسے پیدا ہو جائے، یہ زنگ آلود دل صاف ستھرے کیسے ہوں، ان کو چمک دینے والا، ان کے زنگ کو اُتارنے والا طریقہ کیا ہے؟ قرآن یہ بیان کرتا ہے۔

آج بڑا افسوس یہ ہے کہ ہم مسلمان ہوتے ہوئے بھی قرآن کی جامع تعلیمات کو پڑھنے پڑھانے اور سمجھنے سمجھانے کا کام نہیں کرتے۔ سکولوں اور کالجوں کے نوجوان کو تو یورپین تہذیب و کلچر یا سرمایہ پرستی کی اساس پر زندگی بسر کرنے کے مادی اور سرمایہ پرستانہ طریقۂ کار پڑھائے اور سمجھائے جاتے ہیں۔ اور ماشاء اللہ مسجدوں اور مدرسوں کے علما اور مذہبی لوگ بھی صرف روح اور عبادت کے تقاضوں کی تکمیل کی باتیں کرتے ہیں! سیاست، معیشت، سماجیات، انسانی جسم کے تقاضوں کے قوانین اور ضابطے کیا ہیں، قومیں اپنی سیاسی شناخت کیسے پیدا کرتی ہیں، معاشی طاقت و قوت کیسے پیدا کرتی ہیں۔ انسانوں کے لیے ارتفاقات کیسے وجود میں لائے جائیں، یہ ان کا موضوع بحث نہیں ہے۔ ایسے میں مسلمان نوجوان جائے تو کہاں جائے۔ مسجد مدرسے میں آئے تو محض ایک مخصوص نقطہ نگاہ سے صرف روح کی تکمیل کی باتیں ہوتی ہیں۔ زندگی کو جامع طور پر سمجھنے اور زندگی کے سلگتے ہوئے مسائل کو حل کرنے کی عقل و شعور کا نصاب ہماری تعلیمات میں شامل نہیں۔ اور عصری تعلیم میں صرف سرمایہ داری اور انسانیت دشمنی کے رویے، یا زیادہ سے زیادہ دُنیوی ترقی کے ضابطے بتلائے جاتے ہیں، لیکن انسانی روح کی تکمیل کے تناظر میں انسانی سیاست، معیشت، تہذیب اور کلچر کیسے ڈویلپ ہونے چاہئیں، اس کے بارے میں کچھ تعلیم و تربیت نہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لا تزال طائفةٌ من امّتی قائمین علیٰ الحقّ قیامت تک ایک ایسی جماعت ہمیشہ رہے گی، جو حق پر قائم ہوگی، جو قرآن حکیم کے مکمل طریقے اور اُسلوب کی جامع ہوگی۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اس برعظیم پاک و ہند میں وہ جماعت امامِ ربانی حضرت مجدد الف ثانیؒ، حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ، حضرت الامام شاہ عبدالعزیز دہلویؒ، حضرت سید احمد شہیدؒ، شاہ محمد اسماعیل شہید، سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور امامِ ربانی قطبِ صمدانی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور ان کے جانشین اور خلفا ہیں۔ اسی سلسلے کی کڑی قطبِ عالم حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ ہیں، جنھوں نے اسی جامعیت کے تحت قرآن حکیم کی تعلیم و تربیت کا طریقہ، مکاتبِ قرآنیہ، مدارسِ اسلامیہ اور انسانی قلوب کے تزکیے اور تربیت کے تناظر میں کیا۔ حضرت شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ کے بعد حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ، حضرت شاہ عبدالعزیز رائے پوریؒ اور حضرت مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ رحمہم اللہ ہیں۔ یہ وہ سلسلۃ الذہب ہے کہ جنھوں نے اس مجددی ولی اللّٰہی سلسلے کی اساس پر قرآن حکیم کے فہم کا صحیح اور جامع طریقہ برقرار رکھا۔

ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ (ٹرسٹ) لاہور، جس کے بانی حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ ہیں، اس کی بنیادی خصوصیت بھی یہی ہے کہ ہم علومِ قرآنی، قرآن کی تعلیمات کو ان دونوں تناظر میں سمجھنا چاہتے ہیں کہ ہماری روح کے مطالبات کیا ہیں اس کے تقاضے کیسے پورے کیے جائیں، اور ہمارے جسم کے تقاضے کیا ہیں اور ان کی تکمیل کے لیے ہمیں قرآنی نقطہ نگاہ سے کیا کیا کام کرنے ہیں، اسے سمجھنے سمجھانے کے لیے ہی جب سے یہ ادارہ قائم ہوا ہے، دورۂ تفسیر قرآن حکیم کا سلسلہ چل رہا ہے۔ (بقیہ صفحہ 11 پر)

ولی اللّٰہی تحریک اور حضرت رائے پوریؒ

تحریر: سجاد الرحمٰن

برصغیر پاک و ہند کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ یہاں دین اسلام بطورِ نظامِ مملکت تقریباً ساڑھے آٹھ سو سال تک قائم رہا۔ دینی نظام کے قیام سے قبل بھی یہ خطہ الٰہی تعلیمات کے نور سے آشنا تھا، لیکن اُن مذاہب میں یہاں کی متنوع نوعیّتوں کو بھانپ کر انسانی بنیادوں پر رہنمائی کی تعلیمات کا فقدان تھا۔ دین اسلام نے اس کثیر المذاہب اور کثیر القومی خطے کو ایک ایسا سیاسی، معاشی اور سماجی نظام دیا، جس کے فیوض و برکات سے اس خطے کی جملہ اقوام مستفید ہوئیں۔ اپنوں کی ناعاقبت اندیشی اور دشمن کی سازشوں کے باعث جب یہ خطہ اس عظیم الشان نظام سے محروم ہوا تو ساتھ ہی دنیا بھر سے دینی نظام کی بساط لپیٹ دی گئی اور تقریباً ایک ہزار سال تک انسانیت کو امن، خوش حالی اور ترقیات سے ہم کنار کرنے والا نظام ایوانِ اقتدار سے نکل کر محض کتابوں اور درس گاہوں کی زینت بن گیا۔ اٹھارویں صدی عیسوی میں ایک طرف نظامِ اسلام کی بساط لپیٹی جا رہی تھی تو دوسری طرف مغرب سے اُٹھنے والا سرمایہ داری نظام کرۂ ارضی پر اپنے سامراجی پنجے گاڑ رہا تھا۔ نہ صرف یہ، بلکہ انسانی معاشروں میں نئے سیاسی، معاشی اور عمرانی تقاضوں نے جنم لیا۔ شخصی حکمرانی کی جگہ ادارہ جاتی دور، زرعی اور تجارتی دور کی جگہ صنعتی عہد اور ہر چیز کو عقل کی کسوٹی پر پرکھنے کا ایک نیا انداز آنے والے انسانوں کے دروازوں پر دستک دے رہا تھا۔ یورپ سے اٹھنے والی نشاۃِ ثانیہ کی تحریک نے مذہب اور حاملین مذہب کے متعلق کئی سوالات پیدا کر دیے تھے۔ ہندوستانی معاشرہ بھی ان سب مسائل سے دوچار تھا۔ مذہب کے علم برداروں نے سیاسی، معاشی اور عمرانی تقاضوں سے منہ موڑ کر حجروں میں بیٹھ کر دینی عقائد و عبادات کے تحفظ کا فیصلہ کر لیا۔

ان حالات میں حضرت امام شاہ ولی اللہؒ جیسی نابغہ روزگار شخصیت نے اسلام کی اس ڈوبتی ناؤ کو کنج عافیت بخشی اور دین اسلام کے صاف و شفاف چہرے پر شکست و ریخت کے جتنے دھبے تھے، سب صاف کر کے نبوی دین کو اس قدر منزہ و مصفی کر کے پیش کیا کہ وہ ایک مکمل، جامع اور ترقی یافتہ نظریۂ حیات کے طور پر جانا جانے لگا۔ حضرت امام شاہ ولی اللہؒ نے صنعتی دور میں پیدا ہونے والے سوالات کے ایسے تسلی بخش جوابات مرحمت فرمائے کہ آپ سے تقریباً پچاس سال بعد برپا ہونے والا یورپ کا صنعتی انقلاب اور تقریباً ڈیڑھ سو سال بعد آنے والا سوشلسٹ انقلاب بھی کما حقہ اُن تقاضوں سے عہدہ برآ نہ ہو سکا۔ شاہ صاحبؒ چوں کہ عروج و زوال کے سنگم پر تشریف لائے، اس لیے انھوں نے انسانی تاریخ اور دورِ عروج کا تجزیہ کر کے اپنے اصول مدوّن کیے، جن سے عہدِ جدید کے تمام سیاسی، معاشی اور عمرانی مسائل کا حل اور زوال سے نکلنے کی مکمل حکمتِ عملی ملتی ہے اور نہ صرف آپ نے دورِ زوال کا مکمل فلسفہ مدوّن کیا، بلکہ ایسی جماعت تیار کی، جس نے ولی اللّٰہی افکار پر مبنی انقلابی جدوجہد اختیار کر کے ہندوستان کے طول و عرض میں اس فکر کو متعارف کروایا۔ ولی اللّٰہی جدوجہدِ انقلاب جاری تھی کہ ہندوستان پر غیر ملکی استعماری طاقتوں نے جبر و استبداد کے پنجے گاڑنے شروع کر دیے۔ ایسے میں اس جماعت نے ہندوستان کی آزادی کا بیڑا اٹھایا اور تقریباً دو سو سال تک ہندوستان کے چپّے چپّے اور قریے قریے میں جا کر جدوجہدِ آزادی کو منظّم کیا۔

(بقیہ صفحہ 11 پر)

اسلامی فلاحی ریاست کا تصور

حضرت اقدس مولانا مفتی عبدالخالق آزادرائے پوری کا **ایک اہم انٹرویو**

(حضرت اقدس مولانا مفتی عبدالخالق آزادرائے پوری دامت برکاتہم العالیہ آزاد کشمیر کے دوروزہ دورے پر تشریف لے گئے تو مظفرآباد ریڈیو اسٹیشن کے اسٹیشن منیجر کی دعوت پر ایک انٹرویو دینے کے لیے وہاں تشریف لے گئے۔ چناں چہ 4/جون 2013ء بروز منگل کو جناب طاہر چغتائی نے اُن سے انٹرویو لیا، جو اُسی روز دو بجے ریڈیو پاکستان مظفرآباد کی جانب سے FM.93 پر نشر ہوا۔ یہ انٹرویو نوک پلک درست کر کے قارئین کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے۔ مدیر)

FM.93: السلام علیکم سامعین! میں ہوں طاہر چغتائی اور ہمارے ساتھ آج سٹوڈیو میں موجود ہیں مظفرآباد آزاد کشمیر کے دورے پر آئے ہوئے ہمارے مہمان جناب مفتی عبدالخالق آزادرائے پوری صاحب۔ آپ سجادہ نشین ہیں خانقاہ عالیہ رحیمیہ رائے پور کے اور ناظم اعلیٰ ہیں ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ لاہور کے۔ آپ کو پروگرام میں خوش آمدید کہوں گا۔ سامعین آج کے پروگرام میں گفتگو کا موضوع ہے "اسلامی فلاحی ریاست کا تصور"۔ پروگرام کے آغاز میں مفتی صاحب! میں ایک رسمی سا سوال پوچھوں گا اور اس کے بعد ہم موضوع کے حوالے سے گفتگو کریں گے۔ آپ مظفرآباد میں تشریف لائے، آپ کے دورے کے مقاصد کیا ہیں؟

حضرت آزادرائے پوری: ہمارا خانقاہ عالیہ رحیمیہ رائے پور کا ایک سلسلہ ہے۔ اس سلسلے میں جو متعلقین ہیں، اور ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ سے وابستہ نوجوان ہیں، ان سے ملاقات اور قرآنی نقطہ نگاہ سے دینی شعور کی بلندی اور اس کے فروغ کے لیے ہمارے یہ اسفار ہوتے ہیں۔ جن میں سال میں تقریباً ایک دو مرتبہ یہاں آنا بھی ہوتا ہے۔ اس جگہ مظفرآباد کشمیر میں آنے کا مقصد یہ ہے کہ ادارے سے وابستہ نوجوانوں سے اس سلسلے کے حوالے سے بات چیت اور گفتگو کی جائے۔ اور ان میں اس بات کا شعور پیدا کیا جائے کہ وہ دین سے اپنا لگاؤ پیدا کر کے دینی اور اُخروی کامیابی کے لیے کردار ادا کریں۔

FM.93: بہت شکریہ! اب ہم چلیں گے اپنے موضوع کی طرف۔ ہمارے آج کے اس پروگرام کا موضوع ہے "اسلامی فلاحی ریاست کا تصور"، مفتی صاحب! اسلام ایک ضابطہ حیات ہے، سب جانتے ہیں اور اس پر بات بھی ہوتی ہے۔ اسلامی فلاحی ریاست کا تصور اگر آج کے دور میں ہم لگائیں، مدینہ کی ریاست کے ساتھ اور آج کی جو پاکستان کی ریاست ہے، اس کا کمپیر زن کریں، اس کا موازنہ کریں تو کیا تصور سامنے آتا ہے؟ کیا خاکہ سامنے آتا ہے؟

حضرت آزادرائے پوری: اسلام کی فلاحی ریاست کے بنیادی تصورات، چند بنیادی اساسی اصولوں پر قائم ہیں:

اسلام کی فلاحی ریاست کا پہلا بنیادی تصور یہ ہے کہ وہ آزاد اور خودمختار ہوتی ہے۔ آزادی اور حریت بنیادی وصف ہے۔ قرآن حکیم کی بے شمار آیات اور احادیثِ نبویہ میں یہ بات واضح کی گئی ہے کہ انسان آزاد پیدا کیا گیا ہے اور وہ کسی کا غلام بن کر نہیں رہتا۔ کوئی بھی ریاست اگر اپنے امور میں دوسروں کی ڈکٹیشن قبول کرے، دوسروں کے تابع ہو تو وہ دراصل انسانی سوسائٹی کی ترقی کے لیے یا کم از کم اپنی قوم کی فلاح و بہبود کے لیے کردار ادا نہیں کر سکتی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کا مشہور مقولہ ہے کہ: "**متیٰ استعبدتّم النّاس و قد ولدتهم امّهاتهم احراراً.**" (تم نے کب سے لوگوں کو غلام بنانا شروع کیا، حال آں کہ ان کی ماؤں نے انھیں آزاد جنا تھا۔) آزادی اور حریت پہلا بنیادی اساسی اصول ہے اسلام کی فلاحی ریاست کا۔ جو ریاست آزاد نہ ہو، وہ اسلام کی فلاحی ریاست کے تصور پر عمل پیرا نہیں ہوتی۔

دوسری بنیادی چیز فلاحی ریاست کے حوالے سے یہ ہے کہ بلاتفریق رنگ، نسل، مذہب تمام انسانوں کے لیے عدل و انصاف کے نظریے پر نظام کا قائم ہو۔ یعنی اُس ریاست کے دائرے میں بسنے والے تمام انسان، خواہ کالے ہوں، گورے ہوں، مشرقی ہوں، مغربی ہوں، یہودی، عیسائی، ہندو، مسلمان کچھ بھی ہوں، سیاسی اور معاشی حوالے سے ان تمام کے یکساں انسانی حقوق ہوں گے۔ مذہبی حوالے سے تو ظاہر ہے تفریق ہوتی ہے عقیدے کی، لیکن انسانی حقوق، سیاسی اور معاشی حقوق میں تمام لوگوں کو عدل و انصاف فراہم کرنا ضروری ہے۔ اس کے بارے میں قرآن حکیم نے واضح طور پر کہا کہ: اِعۡدِلُوۡا هُوَ اَقۡرَبُ لِلتَّقۡوٰى (8:5) (عدل و انصاف قائم کرو، یہ تقویٰ کے سب سے قریب تر ہے۔)

فلاحی ریاست کا تیسرا بنیادی اصول یہ ہے کہ تمام انسانوں کے لیے بلاتفریق رنگ، نسل، مذہب، امن وامان، جان مال، عزت آبرو کا تحفظ کرنا۔ کسی نسلی یا مذہبی امتیاز کی وجہ سے کسی کی جان مال، عزت آبرو سے کھیلنا، یہ فلاحی ریاست کے بنیادی تصور سے منافی ہے۔ خلافتِ راشدہ کے زمانے میں امن کے حوالے سے تمام یہودیوں کو بھی وہی حقوق حاصل تھے، جو مسلمانوں کے لیے تھے۔ بیت المقدس کی فتح ہوئی تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہٗ ہی وہ آدمی ہیں، جنھوں نے یہودیوں کے اس شہر میں داخلے کا تین سو سال کے بعد اعلان کیا۔ یعنی حکومتی رٹ رکھنے والے اداروں: مقنّنہ، عدلیہ اور انتظامیہ کی ذمہ داری امن وامان کو یقینی بنانا ہے۔

فلاحی ریاست کا چوتھا بنیادی ستون یہ ہے کہ انسانوں کے جتنے معاشی اور اقتصادی معاملات ہیں، ان میں خوش حالی اور فارغ البالی پیدا کرنا۔ یعنی اس سوسائٹی میں دولت کی پیدائش کا عمل منصفانہ ہو، پروڈکشن آف ویلتھ، اور پھر اس کی ڈسٹری بیوشن اور تقسیم کا عمل منصفانہ ہو، اس کی ٹریڈنگ عدل و انصاف کی بنیاد پر ہو، تبادلے کا عمل اور پھر اس پر تمام انسانوں کو تقسیم شدہ اور تبادلہ شدہ دولت کے صَرف اور استعمال میں عدل و انصاف اور مساوات کو پیشِ نظر رکھنا چاہیے۔ طبقاتی نظام فلاحی ریاست کے منافی ہے۔ سرمایہ داری یا جاگیرداری کا پیدا ہونا، فلاحی ریاست کے منافی عمل ہے۔

یہ چار بنیادی اصول ہیں اسلام کی فلاحی ریاست کے حوالے سے اور خلافتِ راشدہ کا دور، بلکہ مسلمانوں کے غلبے کا ایک ہزار سالہ دور اسی حوالے سے ہماری رہنمائی کرتا ہے۔ آج اسی تناظر میں ہمیں اپنے پاکستان کے حالات کا جائزہ لینا چاہیے۔

FM.93: بے شک آپ نے جس طرح بڑے اچھے انداز میں بتایا کہ اسلامی فلاحی ریاست کے بنیادی اصول اور نکات کیا ہیں، اس کے ساتھ ساتھ اسلام اچھے اَخلاق کا بھی درس دیتا ہے۔ آج کے دور میں ہم اگر دیکھیں تو جہاں ہمیں معاشی، سیاسی اور معاشرتی مسائل کا سامنا ہے، وہیں پر ایک اور مسئلہ ہے اور وہ ہے اَخلاقی تنزلی کا۔ اس کو کیسے بہتر کیا جا سکتا ہے؟

حضرت آزادرائے پوری: دیکھیے! اَخلاق اور سیاست و معیشت یا اجتماعیت کا آپس میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔ اَخلاق خُلق کی جمع ہے اور یہ سوسائٹی کی ویلیو یا قدر کو کہتے ہیں۔ سیاسی سٹرکچر، معاشی عملی سسٹم اور سماجی عملی سسٹم، سوسائٹی کے ان تمام ظاہری نظاموں کے پیچھے جو ویلیوز کارفرما ہوتی ہیں، انھیں اَخلاق کہا جاتا ہے۔ ہمارے ہاں عام طور پر اَخلاقیات کی جب

بات ہوتی ہے تو اس سے مراد انفرادی خُلق ہوتا ہے کہ ایک فرد انفرادی طور پر نیک بن جائے۔ جب کہ دینی نقطہ نگاہ سے اَخلاقیات کا جو بنیادی تصور ہے، وہ یہ کہ فرد کے نیک بننے میں سسٹم بنیادی کردار ادا کرتا ہے۔ اگر سسٹم درست ہوتا ہے تو ہر آدمی کو سسٹم کے پروٹوکول کے مطابق چلنا ہوتا ہے۔ اگر سسٹم میں جھول ہو تو فرد ڈی ٹریک ہو جاتا ہے۔ وہ اگر نیک بننا بھی چاہے، وہ سسٹم کے مقابلے پر نیک نہیں بن سکتا۔ سسٹم مثلاً فحاشی عریانی پھیلا رہا ہے اور آپ انفرادی طور پر کہیں کہ جی وہ فرد فحاشی عریانی سے بچے، تو یہ بڑا مشکل ہوتا ہے۔ اصل چیز ہے ان بنیادی اَخلاقیات کو اپنانے کی ہے، جو سوسائٹی کی ترقی کے لیے ناگزیر ہیں۔ ان میں انسان دوستی، رواداری، عدل، امن، معاشی خوش حالی، اللہ سے سچا تعلق، جسے اخبات الی اللہ کہا جاتا ہے۔ اللہ کی سچی محبت کا دل میں پیدا ہونا، یہ وہ بنیادی اَقدار ہیں، جو اسلام کی فلاحی ریاست میں سسٹم کے راستے سے اسلامی معاشرے میں آتی ہیں۔

آپ دیکھئے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی جماعت بدر کے موقع پر تین سو تیرہ کی یا مکہ فتح کرتے وقت دس ہزار کی جماعت تھی، اس جماعت نے جب سسٹم قائم کر دیا تو قرآن کہتا ہے کہ: يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ۝ (2:110) لوگ فوج در فوج اس میں داخل ہونا شروع ہوگئے۔ اَخلاقیات پر جب سسٹم بن جاتا ہے تو ہر فرد اُس کو قبول کرتا ہے۔ اَخلاقی تربیت دراصل سماجی زندگی کی تشکیل کے حوالے سے بنیادی اقدار کی رہنمائی کرنے کی ہے۔ ہم اپنے نوجوان میں یہ شعور پیدا کریں کہ وہ اُن اعلیٰ اَخلاق کو پیدا کرے کہ جس کے نتیجے میں یہ دنیا اُن کے لیے جنت بن جائے۔ وہ دوسروں کی ہمدردی، خیرخواہی، دوسروں کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آنا، پھر ایسے شعور کی بنیاد پر کام کرنا، جس کی بنیاد پر معاشرہ بحیثیتِ مجموعی ترقی کرے اور سوسائٹی ان تینوں حوالوں سے، یعنی سیاسی، معاشی اور سماجی حوالے سے آگے بڑھے۔

FM.93: اچھا یہ جو آپ نے اَخلاقیات کے حوالے سے بات کی ہے۔ اس کے ساتھ اگر ہم دیکھیں آج کے دور میں نوجوان کی جو پرورش ہو رہی ہے، اس سے پہلے گھر میں جو ماں باپ اپنی اولاد کی اس انداز سے پرورش کرتے تھے کہ وہ آہستہ آہستہ دین ہی کی طرف راغب ہوتے تھے۔ ہمارا جو موجودہ سسٹم ہے، اس میں الیکٹرانک میڈیا اور اس کے ساتھ ساتھ سوشل میڈیا نے اَخلاقی طور پر گراوٹ کا شکار کرنے کے حوالے سے بڑا بھیانک کردار ادا کیا ہے۔ اس سارے سیلاب کا مقابلہ کیسے کیا جاسکتا ہے؟ نوجوانوں کی پرورش کیسے کی جاسکتی ہے، تاکہ وہ دین کی طرف مائل ہوں؟

حضرت آزاد رائے پوری: دیکھئے! بنیادی چیز یہ ہوتی ہے کہ آج سے پچاس سال پہلے جو ہمارا خاندانی نظام محفوظ تھا اور اس کے تحت ہم اپنے بچوں کی تربیت کرتے تھے، اس وقت ہم ایک ایسے ماحول میں رہ رہے تھے، جو غلامی کا تھا، انگریزوں کا یہاں اس خطے پر تسلط تھا، اس کی مزاحمت بھی ہمارے ذہن میں تھی۔ آج اس جدید دور کے اس ڈیجیٹل دور کو ہم روک نہیں سکتے۔ رابطوں کے نظام میں سوشل میڈیا بھی آئے گا، بلکہ اس سے آگے بڑھ کر بھی مزید چیزیں آئیں گی۔ اصل میں ان ایجادات کے استعمال کے دو دائرے ہوتے ہیں: ایک مثبت اور ایک منفی۔ ہر ایجاد کوئی منفی سوچ کی حامل نہیں ہوتی۔ میڈیا کی آزادی بھی ہونی ہے، وہ آج نہیں تو کل ضرور آئے گی۔ دیکھنا یہ ہے کہ سوشل میڈیا، کون سی بنیادی اَخلاقی اقدار اپنے پیش نظر رکھتا ہے۔ اس وقت المیہ یہ ہے کہ ہمارا میڈیا یورپ اور مغرب یا سرمایہ داری نظام اور سوشل اِزم سے متأثر ہو کر کردار ادا کرتا ہے۔ سرمائے کا چلن ہے، یعنی اپنی ریٹنگ بڑھانے کے لیے وہ ایسے پروگرام نشر کرتا ہے کہ جس کے نتیجے میں بچوں کے اَخلاق خراب ہوتے ہیں۔ جب کہ سوسائٹی کی تشکیل کی بنیادی ذمہ داریاں کیا ہیں، ہمیں قومی اور ملّی نقطہ نگاہ سے ہمیں کیا کردار ادا کرنا ہے، وہ ہمارے پیش نظر نہیں ہے۔ پورا میڈیا اور تمام ادارے سسٹم کے تابع ہوتے ہیں۔ سسٹم جیسا ہوگا، ویسے ہی اس کے اثرات و نتائج مرتب ہوں گے۔ حالیہ الیکشن ہمارے سامنے ہیں کہ ہمارے میڈیا نے لاکھوں اربوں کے اشتہارات کی بنیاد پر جو کچھ یہاں کیا ہے اور پوری پانچ دس ارب کی سرکولیشن صرف ایک مہینے کے اندر ہوئی ہے۔ تو اب اگر سرمائے کا دخل ہوگا، سرمائے کی بالادستی ہوگی اور انسانیت کی اہمیت نہیں ہوگی تو یہ تباہ کُن بات ہوگی۔ انسانیت اور سرمائے میں جب تصادم پیدا ہو تو ہمیں انسانیت کو ترجیح دینی چاہیے۔

اسلام اسی لیے سرمایہ داری کو ناپسند کرتا ہے کہ سرمایہ داری میں سرمایہ اصل بن جاتا ہے، انسان اس کے تابع ہو جاتا ہے۔ سرمائے کا اور انسان کا ٹکراؤ ہو تو انسان کو تباہ کرنا ان کے نزدیک کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ وہ اپنے سرمائے کو ترجیح دیتے ہیں۔ قرآن حکیم کہتا ہے: وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ (17:70) ہم نے انسانیت کو عزت دی ہے۔ انسانی معاشرے میں سرمائے کا ضرور دخل ہوتا ہے، لیکن وہ انسانی فائدے کے لیے ہونا چاہیے، نہ کہ انسانیت کو نقصان پہنچانے کا ہونا چاہیے۔ میڈیا میں اگر سرمائے کا عمل دخل رہے گا اور وہ محض اپنے مادی مفادات کی بنیاد پر بچوں کے اَخلاق اور اُن میں فحاشی عریانی پھیلانے یا اپنے مفادات کو پھیلانے کے لیے سوچ اور ذہن کو مسخ کرنے کا کام کریں گے تو اس سیلاب سے نہیں بچ سکتے۔ ہمیں خاص طور پر جو میڈیا کے ذمہ داران حضرات ہیں، بلکہ اجتماعی طور پر یہ سوچنا ہوگا کہ ہم اپنی نسل کو بچائیں یا سرمائے کی بنیاد پر لالچ اندر مبتلا ہو کر دولت کی ہوس میں مبتلا ہو کر ان کے اَخلاق خراب کریں؟

FM.93: اسی بات کو آگے بڑھاتے ہیں کہ سرمایہ دارانہ نظام کے حوالے سے جس طرح آپ نے بات کی ہے کہ معاشی مسائل جو ہیں، تمام دنیا کے ممالک اس کا شکار ہو رہے ہیں، خاص طور سے پاکستان کی معیشت بھی مسائل کا شکار رہی ہے۔ اگر ہم اس معیشت سے نکلنے کی کوشش کرتے ہیں، دنیا میں جو سرمایہ دارانہ نظام ہے، سود در سود کا ایک نظام چل رہا ہے اس دنیا میں، اس میں بینک بھی ہیں، اس میں انشورنس کمپنیز بھی ہیں، بہت سارا اور سسٹم بھی آتا ہے، جب بھی اس سسٹم سے نکلنے کی کوشش کی جاتی ہے، کہیں آواز بلند ہوتی ہے کہ اسلامی نظام رائج کیا جائے اور جو سود در سود کا نظام ہے، اس سے نکلا جائے تو آواز یہ بلند ہوتی ہے کہ سسٹم کلیپس ہو جائے گا اور ہم ڈیفالٹ ہو جائیں گے، اس کے اگینسٹ ہمارے ملک سے بھی یہ آوازیں اُبھرتی ہیں۔ ایسا کون سا نظام ہو، اسلامی نظام کو کس انداز میں رائج کیا جائے کہ سودی نظام بھی ختم ہو جائے، اس سے بھی چھٹکارا حاصل ہو جائے اور ہمارا جو سسٹم ہے، وہ بھی کلیپس نہ ہو؟

حضرت آزاد رائے پوری: دیکھئے! بنیادی بات یہ ہے کہ جب ہم معاشیات پر بات کرتے ہیں تو معاشی نظام کی اساس دستیاب وسائل اور معاشی اقتصادی دولت پر مبنی ہوتے ہیں۔ یعنی انسانوں کی احتیاجات کیا ہیں اور دستیاب وسائل کے ذریعے سے ان کی احتیاجات کیسے پوری کی جاتی ہیں۔ اگر ہم پاکستان کی صورتِ حال کا جائزہ لیں تو پاکستان میں چاروں موسم ہیں، بہت زیادہ زرخیز زرعی زمینیں ہیں، بہت زیادہ معدنیاتی وسائل موجود ہیں، لیکن اس کے باوجود ہم نے 1947ء میں جیسے ہی ملک وجود میں آیا، ہم نے قرضوں کی معیشت کو قبول کرلیا۔ دنیا میں قرضوں کی معیشت کو جب کوئی ملک قبول کرتا ہے تو وہ سودی نظام میں جکڑا جاتا

ہے۔ سود کا عمل تبھی ہوتا ہے، جب قرضوں کی معیشت ہو۔ آج اس سرمایہ داری نظام کی خرابی کی انتہا دیکھئے کہ خود امریکا میں ''وال سٹریٹ آکو پائے'' (occupy) تحریک چل رہی ہے، سرمایہ داری کے خلاف موومنٹ چل رہی ہے، کیوں؟ کیوں کہ ایک مکان جو ایک کروڑ ڈالر کا ہے، جب اس کو آپ دس جگہ پر مارگیج رکھ کر ایک ارب ڈالر تشکیل کریں گے تو ظاہر ہے کہ نوے کروڑ جو آپ نے اوپر فالتو دیا ہے، اس کا زمینی معاشی حقائق سے کوئی تعلق نہیں۔ دنیا میں سرمایہ داری نظام اسی لیے فیل ہو رہا ہے کہ وہ قرضوں کی معیشت کی بنیاد پر آگے بڑھتا ہے۔ پاکستان جیسے ملک، جس کے پاس قدرتی وسائل موجود ہیں، یہاں کی مینجمنٹ صحیح ہو، یہاں کے حکمران آزادی، عدل، امن اور معاشی خوش حالی کے بنیادی فلاحی ریاست کے تصور کے تحت کام کریں تو انھیں قرضوں کی معیشت کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ آپ سودی نظام میں اس لیے داخل ہوئے ہوئے ہیں کہ آپ عالمی طاقتوں سے قرضے لیتے ہیں اور انھیں سود در سود انھی قسطوں کی بنیاد پر اس میں پھنستے چلے جاتے ہیں۔ اور پھر یہاں بھی جو بینکنگ سسٹم آپ نے قائم کیا ہوا ہے، وہ بھی قرضوں کی اساس پر آگے بڑھ رہا ہے۔ جب کہ دستیاب وسائل کی حقیقی اساس پر جب ہم آگے بڑھیں تو یقیناً ان تمام چیزوں کی ضرورت نہیں ہے۔ دنیا میں وہ ممالک جن کے اندر اپنے وسائل موجود ہیں، انھیں قرضوں کی معیشت میں جانے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ یہ تو عالمی سامراجی سرمایہ داری نظام کے تصورات ہیں، عالمی سرمایہ دار مافیا چار پانچ سو افراد پر مشتمل ہے۔ وہ امریکا جیسے ملک کو بھی، برطانیہ کو بھی، دنیا بھر کے ممالک کو بھی کیپچر کر کے قرضوں کی معیشت کے جال میں اُلجھاتے ہیں اور پھر ہمیں یہ کہتے ہیں کہ جی اگر ہم نے قرضوں کی معیشت کو قبول نہ کیا تو ملک کلیپس ہو جائے گا۔ بھئی! جب ایک ملک کے اندر تمام قدرتی وسائل موجود ہیں، ان کے ہاں معدنیات موجود ہیں، ان کے استعمال کرنے کے لیے آپ کو صرف مینجمنٹ درست کرنی ہے تو اس کے ذریعے سے وہ ملک کیسے کلیپس ہو جائے گا۔

سودی نظام سے خاتمے کا واحد راستہ یہ ہے کہ قرضوں کی معیشت سے چھٹکارا حاصل کیا جائے۔ اور معاشی نقطہ نگاہ سے دین کے جو بنیادی تصورات ہیں کہ طبقاتی نظام، سرمایہ پرستی کا نظام، جاگیرداری کا یہ ماحول ختم کیا جائے۔ ہمارے ہاں جاگیرداری کا ماحول بھی اس برعظیم پاک و ہند میں انگریزوں کے دور میں پیدا ہوا۔ مسلمانوں کے غلبے کے زمانے میں ہندوستان کی سب زمینیں اجتماعی طور پر ملکی قومی مفاد کے لیے استعمال ہوتی تھیں۔ جب انگریز یہاں آئے تو انھوں نے آکر ملک سے غداری کرنے والے لوگوں کو جاگیریں دیں اور سرمایہ داری کو فروغ دیا، قرضوں کا ایک نظام یہاں پر قائم کیا۔ 1835ء میں یہاں قرضوں کا یہ سسٹم قائم کیا گیا تھا۔ 1885ء میں سونے اور چاندی کی جگہ پر کاغذی کرنسی جاری کر کے، جس کو حکومتی بل بوتے پر حقائق کے منافی یا زرِمبادلہ کے بجائے قرضوں کی بنیاد پر جاری کرنے کا تصور قائم کیا گیا تھا تو اس نے ہمیں پورا جکڑا ہوا ہے۔ اب ہم غلامی یا نوآبادیاتی دور کے تصورات کے تحت یرغمال ہیں۔ اب ہم قومی آزادی کی بنیاد پر اپنی دھرتی کی ترقی اور خوش حالی کے لیے کردار ادا کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں اس پورے فرسودہ نوآبادیاتی دور کے سسٹم کو خیرباد کہنا ہوگا اور اسلام کی اور قرآن کی حقیقی تعلیمات کے تناظر میں اپنا معاشی نظام ایسا بنانا ہوگا کہ جس سے زیادہ سے زیادہ پروڈکشن آف ویلتھ ہو، اس کی تقسیم اور تبادلے کا نظام منصفانہ زیادہ سے زیادہ ہو اور اس کے استعمال کرنے کا بہتر طریقہ ہمارے سامنے آئے۔

(بقیہ صفحہ نمبر 11 پر)

بجٹ 2013-14

تحریر: مرزا محمد رمضان

14 جون 2013ء کو وزیرِ خزانہ جناب اسحاق ڈار نے بجٹ تجاویز برائے سال 2013-14 قومی اسمبلی میں پیش کیں۔ قومی اسمبلی نے 14 روز تک بجٹ پر بحث جاری رکھی۔ بالآخر 28 جون کو قومی اسمبلی نے چند تبدیلیوں کے ساتھ اسے بھاری اکثریت سے منظور کر لیا۔ اس بجٹ کا کل سائز 35 کھرب 91 ارب رکھا گیا ہے۔ قرضوں پر سود کی مد میں ادائیگی کیلئے 11 کھرب 50 ارب رکھے ہیں۔ دفاع۔ ملکی سلامتی کے لیے 9 کھرب 70 ارب رکھے ہیں۔ سالانہ ترقیاتی اخراجات کے لیے 5 کھرب 40 ارب مختص کیے گئے ہیں۔ انتظامی اخراجات کے لیے 2 کھرب 75 ارب کا اندازہ ہے۔ سرکاری ملازمین کی تنخواہوں میں 10 فی صد، پینشنروں کے لیے 15 فی صد اضافے کا اعلان کیا گیا۔ جنرل سیلز ٹیکس کو 16 فی صد سے بڑھا کر 17 فی صد کر دیا گیا۔ بینظیر انکم سپورٹ پروگرام کے لیے 73 ارب رکھے گئے ہیں۔ مذکورہ بجٹ کا جائزہ لینے کے بعد درج ذیل پہلو اُجاگر ہوتے ہیں:

سیلز ٹیکس کی مد میں 1 فی صد اضافہ دیگر شعبوں میں کم از کم 5 سے 6 فی صد مزید اضافے کا سبب بنے گا۔ بجلی کی مد میں واپس لی گئی سبسڈی صارفین کے لیے مزید استحصال کا باعث بنے گی۔ اس کے علاوہ ان کا ماہانہ بجٹ بُری طرح تباہ ہو جائے گا۔ چوں کہ اس حکومت نے اپنے آپ کو تاجر پیشہ حلقوں کی نمائند سمجھتے ہوئے ان کے مفادات کو خصوصی تحفظ دیتے ہوئے ٹیکس ہالیڈے کا اجرا کیا ہے۔ 500 گھروں پر مشتمل 1000 کالونیوں کا تصور بھی حقیقی طور پر تاجر پیشہ حلقوں کو نوازنے کا ایک طریقہ ہے۔ حال آں کہ کل مجموعی پیداوار میں اضافہ صرف اور صرف سستی بجلی کی پیداوار میں اضافے سے ہی ممکن بنایا جاسکتا ہے۔ اس وقت بجلی کی پیداوار کا فی یونٹ 24 روپے میں تیار ہوتا ہے، جب کہ اس کی فروخت 12 سے 13 روپے میں ہو رہی ہے۔ جب تک حکومت اس لاگت کو 2 تا 3 روپے تک نہیں لاتی، اس کا معاشی ڈھانچہ مضبوط بنیادوں پر استوار نہیں ہوسکتا۔ اس وقت بجلی درآمد شدہ تیل کی مدد سے تیار کی جاتی ہے۔ تیل کی قیمتیں عالمی منڈی میں ڈالر کے اُتار چڑھاؤ کی وجہ سے بڑھتی رہتی ہیں۔ اس وجہ سے ہمیں بجلی مہنگی خریدنی پڑتی ہے۔ اس کا متبادل ایک ہی ہے کہ ہم بجلی کو اپنے دستیاب وسائل سے تیار کریں۔ ان وسائل میں سب سے پہلے پانی ہے، جسے اللہ پاک نے وافر مقدار میں ہمیں عطا کیا ہے۔ اس سے نہ صرف سستی بجلی پیدا ہوگی، بلکہ بنجر زمینوں کا بہت بڑا حصہ آباد ہو جائے گا۔ اس کے علاوہ قدرت نے ہمیں کوئلے کے بے پناہ ذخائر سے نوازا ہے۔ چین دنیا میں کوئلے سے بجلی پیدا کرنے والا سب سے بڑا ملک ہے۔ ہمیں اس کے تجربات سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔ جب کہ حکومت بجلی کے بحران پر قابو پانے میں سنجیدہ دکھائی نہیں دیتی۔ کیوں کہ اس نے بجٹ میں اس کے لیے کوئی خاص فنڈ مختص نہیں کیے۔ کل قومی پیداوار میں اضافے کا اندازہ 3.3 فی صد لگایا گیا ہے، جب کہ افراطِ زر میں اضافے کی شرح 5ء7 کی گئی ہے۔ یہ اسی صورت میں ممکن ہے، جب معاشی ڈھانچہ ساتھ دے۔ ملک دہشت گردی اور غنڈہ گردی کی وجہ سے عدمِ استحکام کا شکار ہے۔ اس لیے کوئی بھی صنعت کار سرمایہ کاری کے لیے تیار نہیں ہے۔ جس ملک میں حکومتی اہلکار اپنے سرمائے کو ملک میں غیر محفوظ اور بیرونی دنیا میں محفوظ تصور کریں، اس ملک میں کون صنعتیں لگائے گا۔

rahimia.org

حاجی محمد یوسف جاوید (مجاز حضرت رائے پوری رابعؒ)

آہ میرے حضرت رائے پوری رابع رحمۃ اللہ علیہ

مسند نشین خانقاہِ عالیہ رحیمیہ رائے پور

(حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ کے سانحۂ ارتحال پر تأثرات کا سلسلہ جاری ہے۔ اسی حوالے سے حضرتؒ کے مجاز حاجی محمد یوسف جاوید صاحب نے اپنے تأثرات درجِ ذیل خط کے ساتھ لف کر کے ارسال کیے ہیں۔ آپ کی اصل رہائش عارف والا ضلع پاک پتن کی ہے، گو آج کل اپنے صاحبزادے ڈاکٹر عطاء الرحمٰن کے پاس کچھ عرصے کے لیے بیرونِ ملک مقیم ہوتے ہیں۔ شروع میں ان کا خط شاملِ اشاعت ہے اور پھر ان کا تأثراتی مضمون پیشِ خدمت ہے۔ مدیر)

بخدمت حضرت مولانا مفتی عبدالخالق صاحب آزاد رائے پوری
جانشین حضرت اقدس رائے پوری رابع رحمۃ اللہ علیہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ مزاج شریف۔

احقر اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اور آپ کی توجہ بھر دعا سے بخیریت ہے۔ آتی دفعہ کچھ تبلیغی مواد ماہنامہ رحیمیہ وغیرہ کا آپ سے لایا تھا، ماشاء اللہ سب تقسیم کر دیے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ادارہ کو کامیاب فرمائے اور رائے پوری حضرات کے مشن کو دن دُگنی اور رات چوگنی ترقی عطا فرمائے۔

حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد صاحب رائے پوری نور اللہ مرقدہٗ کے ساتھ دیرینہ تعلقات کی بنا پر احقر کی خواہش ہے کہ بندہ بھی حضرت رحمۃ اللہ کے بارے میں اپنے تأثرات کا اظہار کرے، مگر حضرت اقدس قدس سرہٗ کے مقام اور عظمت کے مطابق قابلیت اور جرأت نہ ہے۔ تجربہ لکھنے کا بھی نہ ہے۔ بہر حال عرضداشت ارسالِ خدمت ہے۔ تصحیح فرما کر مناسب خیال فرمائیں تو رحیمیہ میں شائع کرا دیں۔ اور خصوصی دعا میں یاد فرمائیں۔ حضرت مولانا (مفتی عبدالغنی) قاسمی صاحب، حضرت بھائی صوفی (محمد سرور جمیل) صاحب، حضرت (صابر ضمیر) صدیقی صاحب، محترم انیس صاحب، حافظ شفیق صاحب، دیگر سب دوستوں کی خدمت میں السلام علیکم، دعا کی درخواست۔ احقر محمد یوسف جاوید عفی عنہٗ۔

6792 Stane Bzidge west BLOOM FIELD MI 48322 USA

تأثرات

محترمی، سیدی و مولائی، مشفقی و مجی حضرت مولانا شاہ سعید احمد صاحب رائے پوری قدس سرہٗ تقریباً دو ہفتے علالت کے بعد مؤرخہ 26 ستمبر 2012ء کو لاہور میں اس دارِ فانی سے کوچ کر گئے اور واصل بحق ہوئے۔ إنّا للہ و إنّا إلیہ راجعون۔

حضرت اقدس رائے پوری قدس سرہٗ کے وِصال سے قبل ماہِ ستمبر کے پہلے ہفتے میں امریکا سے احقر کی ٹیلیفون پر بات ہوئی۔ احقر کے دریافت کرنے پر ماشاء اللہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے سفرِ راولپنڈی کی کامیابی کا ذکر فرمایا اور رمضان المبارک کے بعد صحت کی کمزوری کی بارے میں فرمایا۔ حضرت اقدس رحمہ اللہ نے فرمایا: ”مجھے آپ کے سلام پہنچتے رہتے ہیں، مگر افسوس کہ میرے پاس آپ کا فون نمبر نہیں ہے کہ میں بات کرتا۔“ حضرت اقدس رحمہ اللہ نے ڈاکٹر عطاء الرحمٰن اور بچوں کی خیریت دریافت کی۔ آپ کی محبت بھری باتوں کا احقر پر کچھ یوں اثر ہوا کہ میں نے عرض کیا: حضرت! ان شاء اللہ ایک ہفتے کے اندر خدمتِ اقدس میں حاضر ہوں گا۔ اس پر آپؒ بہت خوش ہوئے اور دعا فرمائی۔

احقر اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے 12 ستمبر 2012ء کو رات کے وقت لاہور پہنچا اور اگلے دن صبح ادارہ رحیمیہ میں حضرت اقدس رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضری ہوئی۔ ملاقات سے پہلے دوستوں کے ذریعے معلوم ہوا کہ حضرت اقدس قدس سرہٗ غنودگی اور طبیعت کی کمزوری کی وجہ سے بات نہیں فرماتے، اس لیے کم سے کم وقت میں زیارت سے مستفید ہوں۔ احقر بالائی کمرے میں حضرت اقدس کی خدمت میں حاضر ہوا، قدم بوسی اور مصافحہ کیا اور احقر کی خوشی اور مسرت کی انتہا ہو گئی کہ حضرت رحمہ اللہ نے محبت بھری نگاہ سے دیکھا اور پیار و شفقت سے میری اور بچوں کی خیریت دریافت کی اور آمد کے بارے میں دریافت فرمایا۔ اس وقت حضرت مولانا مفتی عبدالخالق صاحب آزاد جانشین حضرت رائے پوری اور حضرت مفتی عبدالغنی قاسمی اور چند دیگر حضرات بھی موجود تھے اور حضرت اقدس رحمہ اللہ نے ہاتھ اٹھا کر دعا فرمائی۔

احقر حضرتؒ اقدس کی شفقت اور عنایات کبھی بھی فراموش نہیں کر سکتا۔ احقر نے 1960ء میں میٹرک پاس کرنے کے بعد حضرت خان صاحب محمد یوسف خاں نور ارَتھ والوں کی رہنمائی اور وساطت سے طالبِ علمی میں ہی حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری قدس سرہٗ سے بیعت کی اور اگست 1962ء وصال تک تعلق غلامی قائم رہا اور بوقتِ وصال حضرت رحمہ اللہ کوٹھی حاجی متین احمد صاحب لاہور پر بندہ ناچیز موجود تھا۔ اس کے بعد آپؒ کے جانشین حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب رائے پوری نور اللہ مرقدہٗ سے خلوصِ دل سے تعلق قائم رہا۔ اُن کے وِصال کے بعد حضرت مولانا شاہ سعید احمد صاحب رائے پوری قدس سرہٗ، جو اُن کے جانشین اور فرزندِ ارجمند ہیں، کے ساتھ عاجزانہ اور غلامانہ تعلق جاری رہا، مگر اس تمام عرصے میں احقر کی غفلت اور کوتاہی پر آپؒ کی شفقت اور عنایت غالب رہی۔

حضرت مولانا شاہ سعید احمد صاحب رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کا کیا کہنا، وہ تو ولی ابن ولی تھے۔ جن کی تربیت اور پرورش حضرت اقدس شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری نور اللہ مرقدہٗ نے کی اور خلافت سے نوازا۔ پھر ان کے جانشین اور والدِ محترم حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب رائے پوری قدس سرہٗ کے ساتھ تیس سال اُن کی صحبت اور تربیت میں بسر کیے۔ علاوہ ازیں قیامِ رائے پور میں نامور علما، فضلا اور اکابرین کی صحبت سے فیض یاب ہوئے۔ حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب رائے پوری ثالث نمازِ پنجگانہ حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد صاحب رائے پوری قدس سرہٗ کی امامت میں ادا فرماتے تھے اور آپ کے جماعتی پروگرامز کی سرپرستی اور رہنمائی فرماتے تھے۔ احقر کئی سال رمضان المبارک کے آخری عشرے میں حضرت خاں صاحب محمد یوسف خاں صاحب نور ارَتھ والوں کی معیت میں حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب رائے پوری کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوتا رہا اور عیدالفطر حضرت رائے پوری ثالث رحمہ اللہ کے ساتھ ادا کر کے دو چار دن بعد واپسی ہوتی۔

ایک مرتبہ لائل پور (فیصل آباد) محلّہ گرو نانک پورہ کے بڑے مدرسہ میں قیامِ رمضان تھا۔ عیدالفطر کالج کے گراؤنڈ میں ادا کی گئی۔ آغازِ خطبہ سے قبل حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب رائے پوری ثالث قدس سرہٗ نے اپنا عصا حضرت صاحبزادہ مولانا شاہ سعید احمد صاحب رائے پوریؒ کو یہ کہتے ہوئے اُن کے سپرد کیا کہ ”لو مولوی سعید (صاحب) جو کچھ کہنا چاہتے ہو، کہہ لو۔“ بس پھر کیا تھا، حضرت مولانا سعید احمد صاحبؒ نے خوب بیان فرمایا اور کبھی کبھی دورانِ خطبہ اوپر آسمان کی طرف دیکھ لیتے۔ اس پر حافظ فضل محمد صاحب مرحوم قبولہ والے

نے مجھے فرمایا کہ: ''دیکھا حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز رائے پوری قدس سرہٗ کی توجہ۔ ایسا معلوم ہوتا ہے، جیسا کہ حضرت مولانا سعید احمد صاحب رائے پوری پر الہام ہو رہا ہے اور خوب وضاحت اور بلاغت سے بیان فرما رہے ہیں۔'' بلاشبہ حضرت رائے پوری رابع ولی ابن ولی تھے۔ آپ میں حبِ دنیا اور حبِ جاہ و مال کا نام و نشان تک نہ تھا۔ آپ انتہائی سادگی اور عاجزانہ زندگی بسر کرتے تھے۔

نورارتھ ضلع پاک پتن میں حضرت حاجی محمد یوسف خاں صاحب کے ہاں حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری ثانی قدس سرہٗ کا قیام ہفتہ بھر رہتا تھا۔ بعد میں اُن کے جانشین حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رائے پوری قدس سرہٗ بھی قیام فرماتے اور اپنے ملکیتی زرعی رقبے پر بھی تشریف لے جاتے، جو کہ قریبی موضع میں تھا، مگر حضرت مولانا شاہ سعید احمد صاحب قدس سرہٗ کبھی بھی رقبہ پر تشریف نہ لے جاتے۔ حضرت خاں صاحب اور دیگر حضرات کی دعوت کے باوجود رقبہ پر نہ جاتے اور نہ ہی حضرت اقدس رائے پوری ثالث کی زندگی میں دنیاداری کی طرف متوجہ ہوتے۔ حضرت حاجی محمد یوسف خاں صاحب نورارتھ والے فرماتے ہیں کہ: ''میں نے حضرت مولانا شاہ سعید احمد صاحب رائے پوری قدس سرہٗ جیسا صابر شاکر کسی کو نہ پایا۔ آپ نے نوجونوں میں فکر و عمل اور غلبہ دین کا شعور پیدا کیا۔''

حضرت مولانا شاہ سعید احمد صاحب رائے پوری رحمہ اللہ نے اپنی جانشینی کے شروع کے دو تین رمضان میاں مقبول قادر صاحب ہوتیانہ کی خواہش پر چک ہوتہ نزد عارف والا میں قیام فرمایا اور یہ قیام خالصتاً تبلیغی اصلاحی تعلق کی بنیاد پر رہا۔ میاں صاحب بھی حضرت اور حضرت کے مہمانوں کی خوب دل داری فرماتے تھے۔ میاں صاحب اور علاقے کے خواص و عوام متعلقین نے حضرت اقدس شاہ سعید احمد صاحب رائے پوری کی نمازِ جنازہ میں شرکت کی اور ہماری طرح سب اشک بار تھے۔

آپ نے ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ (ٹرسٹ) لاہور میں اپنے مشائخ رائے پور کے طرز پر خانقاہی نظام نہایت کامیابی سے چلایا۔ آپ اپنے متوسلین اور مریدین کی نہایت احسن طریقے سے تربیت فرماتے تھے۔ آپ نے انسان دوستی، عدل و انصاف اور عمدہ اَخلاق کا درس دیا۔ آپ ذکر (نفی اثبات اور اسمِ ذات) کو بہت اہمیت دیتے تھے۔ ادارہ رحیمیہ میں صبح و شام ذکر کی آواز گونجتی رہی۔ احقر کے نزدیک تو پاکستان میں ادارہ رحیمیہ ہی رائے پور ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے قائم و دائم رکھے اور حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد صاحب رائے پوری نوراللہ مرقدہٗ کے درجات مزید بلند فرمائے اور گل زارِ سعید پر اپنے انوار کا نزول فرمائے۔ آمین۔

آپ کے جانشین حضرت مولانا مفتی عبدالخالق صاحب آزاد رائے پوری مدظلہٗ کو اللہ تعالیٰ اپنے مشائخ کی طرز پر جملہ امور کامیابی و کامرانی سے ہم کنار کرنے میں مدد فرمائے اور ہم سب کو ان کی رہنمائی میں صراطِ مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

(بقیہ اسلامی فلاحی ریاست کا تصور)

FM.93: بہت شکریہ مفتی عبدالخالق آزاد صاحب! آپ لاہور سے یہاں تشریف لائے اور اپنا قیمتی وقت ہمیں دیا۔ بہت شکریہ آپ کا۔ سامعین! ہمارے ساتھ پروگرام میں موجود تھے جناب مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری صاحب اور آپ تشریف لائے تھے لاہور سے مظفرآباد میں۔ ہمارے ساتھ آج کے اس پروگرام میں بہت مفید گفتگو آپ تک پہنچی۔ طاہر چغتائی کو اجازت دیجیے۔ اللہ حافظ

(بقیہ: خطبہ جمعہ)

الحمدللہ! حضرت کے جانے کے بعد آج بھی حضرت کے تیار کردہ لوگ اس سلسلے کو قائم رکھے ہوئے ہیں۔ آج ان شاء اللہ جمعۃ المبارک کے بعد اسی سلسلے میں دورۂ تفسیر کا آغاز ہو رہا ہے۔ اور یہ تقریباً ایک مہینہ چلے گا۔ یہ بارہ دن رمضان سے پہلے کے اور رمضان المبارک کے بیس دن بھی، اس پورے ایک مہینے میں قرآن حکیم کو اس نقطہ نگاہ سے سمجھنے سمجھانے کا سلسلہ جاری رہے گا۔ پورے ملک سے احباب تشریف لا رہے ہیں۔ لاہور کے لوگوں کو بھی کوشش کرنی چاہیے کہ وہ اس دورۂ تفسیر میں شریک ہوں۔ اور یہ سمجھنے کی کوشش کریں کہ قرآن حکیم ہمیں دنیا اور آخرت میں کامیاب بنانے کا جامع پروگرام کیسے پیش کرتا ہے۔ آج غفلت اور بے شعوری کو ختم کر کے قرآن حکیم کے فہم و شعور کو عام کرنے کی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

(بقیہ: ولی اللّٰہی تحریک اور حضرت رائے پوری) ولی اللّٰہی جدوجہدِ انقلاب اور تحریک آزادی کی لیڈرشپ میں امام شاہ عبدالعزیز دہلوی، حضرت سید احمد شہید، شاہ محمد اسماعیل شہید، حضرت شاہ محمد اسحاق، حاجی امداداللہ مہاجر مکی، مولانا رشید احمد گنگوہی، مولانا محمد قاسم نانوتی، حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن، شاہ عبدالرحیم رائے پوری، امامِ انقلاب مولانا عبیداللہ سندھی، مولانا سید حسین احمد مدنی، مفتی کفایت اللہ دہلوی، مولانا حبیب الرحمٰن رائے پوری اور حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری جیسے اولوالعزم لوگ صفحاتِ تاریخ پر اپنی بے مثال جدوجہد اور قربانیوں کے باعث امر ہوئے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ 1947ء میں برطانوی سامراج کے برصغیر سے نوآبادیاتی تسلط کے خاتمے میں دو عالمی جنگوں کے باعث عالمی حالات کے ساتھ ساتھ اس خطے میں ولی اللّٰہی تحریکِ مزاحمت نے بڑا کلیدی کردار ادا کیا ہے۔ جدوجہدِ آزادی ابھی منطقی انجام کو پہنچنے ہی والی تھی کہ یہ خطہ دولخت ہو گیا۔ ایسے میں اس تحریک کے اہم افراد تو ہندوستان رہ گئے، جب کہ پاکستان میں جو بھی لوگ آئے، انھوں نے مروّجہ نظام کا حصہ بن کر ارتقائی اور اصلاحی طریقۂ کار کے مطابق اپنے آپ کو ڈھال دیا۔

ایسے میں حضرت مولانا شاہ سعید احمد رائے پوری کو یہ اعزاز حاصل ہوا کہ ولی اللّٰہی افکار و نظریات کو پاکستان کے نوجوان طبقے میں نہ صرف متعارف کروایا، بلکہ ان نظریات پر ایک تربیت یافتہ ٹیم تیار کی۔ قیامِ پاکستان کے بعد امریکی سامراجی حکمتِ عملی نے جہاں اس خطے کے تمام اداروں کو خرید کر اپنا دستِ نگر بنایا، وہاں تمام جماعتوں اور مذہبی طبقات کو اپنی پالیسیوں کا شعوری یا لاشعوری طور پر شکار بنا لیا، لیکن حضرت رائے پوری نے پورے اخلاص، انتھک محنت اور مسلسل جدوجہد کے ساتھ اہلِ حق کی اس وراثت کو نسل نو تک منتقل کیا۔ اس جدوجہد میں آپ کو مشکل ترین حالات سے واسطہ پڑا۔ آپ کی کوششوں پر کئی وار کیے گئے۔ آپ کی بنائی ہوئی اجتماعیت کو اندر اور باہر سے توڑا گیا، صفوں کے اندر اور باہر سے نظریاتی اور فکری یلغار بھی ہوئی، حتیٰ کہ آپ پر الزامات پر مبنی فتوے لگائے گئے، لیکن آپ کے پائے استقلال میں کوئی لغزش نہ آئی۔ اس جدوجہد میں آپ نے اپنا تن من دھن سب لگایا، کاروبار اور اولاد سب کی قربانی دی اور پاکستان کے طول و عرض میں اس پیغامِ انقلاب کو پہنچایا۔ اب جب آپ اس دنیائے فانی سے رحلت فرما گئے ہیں تو جہاں آپ کے متعلقین سوگوار ہیں، وہاں اُن کا سر فخر سے بلند ہے کہ کراچی سے خیبر، اور کشمیر سے بلوچستان تک ہزاروں نوجوانوں کو ان عظیم انقلابی نظریات سے روشناس کروانے والی شخصیت کا وجود تو ہم میں نہیں رہا، لیکن آپ کی جدوجہد اب صدا بصحرا نہیں، بلکہ ایک عملی حقیقت بن چکی ہے۔

Monthly RAHIMIA Lahore CPL No. 59

صدقۂ فطر اور عیدالفطر کے احکام و مسائل

صدقۂ فطر کے مسائل

(۱) صدقہ فطر ہر عاقل، بالغ، آزاد مالکِ نصاب شخص اپنی طرف سے اور اپنی نابالغ اولاد کی طرف سے ادا کرے، بشرطیکہ اس کی نابالغ اولاد کی ملکیت میں ان کے نام الگ سے مال نہ ہو۔ اگر ان کی ملکیت میں الگ مال بقدرِ نصاب ہے تو ان کے مال میں سے صدقہ فطر ادا کیا جائے گا۔

(۲) صدقہ فطر کے نصاب کا مالک وہ شخص ہوگا، جس کے پاس ضرورت سے زائد تمام املاک و اشیا اس مقدار ہوں کہ ان کی قیمت ساڑھے سات تولہ سونا کے مساوی ہو۔

(۳) احادیث میں درج ذیل اشیاء میں سے کوئی ایک درج ذیل مقدار کے مطابق بطورِ صدقہ فطر ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے:

(الف) صاعاً من شعیرٍ: یعنی جَو (تقریباً 3500 گرام)

(ب) صاعاً من تمرٍ: یعنی کھجور (تقریباً 3500 گرام)

(ج) صاعاً من اقطٍ: یعنی پَنیر (تقریباً 3500 گرام)

(د) صاعاً من زبیبٍ: یعنی کشمش (تقریباً 3500 گرام)

(ہ) نصف صاعٍ من بُرٍّ: یعنی گندم (تقریباً 1700 گرام)

موجودہ اوزان (ناپ تول) کے مطابق علمائے کرام نے نصف صاع کو تقریباً 1700 گرام کے برابر قرار دیا ہے اور ایک صاع تقریباً ساڑھے تین کلوگرام کے برابر ہے۔ اگر کوئی شخص جَــوُ یا گندم وغیرہ، غلے کی شکل میں نہ دے سکے تو اپنے علاقے کے نرخ کے مطابق اسی قدر درج بالا اشیاء کی قیمت ادا کردے۔

(۴) جو شخص نصاب کا مالک ہے، اس پر صدقہ فطر واجب ہے، خواہ اس نے روزے رکھے ہوں یا نہ رکھے ہوں۔

(۵) مستحب یہ ہے کہ صدقہ فطر، عیدالفطر کے دن نمازِ عید سے پہلے ادا کیا جائے۔ اور رمضان المبارک میں بھی ادا کرنا درست ہے۔

(۶) زکوٰۃ کی طرح صدقہ فطر کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ مال سال بھر تک اس کے پاس جمع رہے، بلکہ سال سے کم عرصہ میں بھی بقدرِ نصاب مال کا مالک بن جائے اور عیدالفطر کے دن بھی اس کا مالک ہو تو صدقہ فطر ادا کرنا واجب ہوگا۔

(۷) عورت پر صرف اپنی طرف سے صدقہ فطر ادا کرنا واجب ہے۔ نابالغ بچوں کی طرف سے ان کی والدہ پر صدقہ فطر ادا کرنا واجب نہیں ہے۔ یہ ذمہ داری باپ کی ہے۔

(۸) صدقہ فطر، عید کے دن صبح صادق کے وقت سے واجب ہو جاتا ہے، لہٰذا جو شخص صبح صادق سے پہلے فوت ہو جائے، اس کی طرف سے صدقہ فطر واجب نہیں ہے۔ اور جو بچہ صبح صادق کے بعد پیدا ہوا، اس کی طرف سے بھی صدقہ فطر واجب نہیں۔

(۹) اگر عیدالفطر کے دن صدقہ فطر ادا نہیں کر سکا تو بعد میں ادائیگی اس کے ذمہ برقرار رہے گی، جب تک کہ وہ اُسے ادا نہ کرے۔

عید الفطر کے مسائل

رمضان المبارک کے بعد یکم شوال کو شکرانے کے طور پر دو رکعت نمازِ عید الفطر ادا کرنا واجب ہے، عیدالفطر کے احکام مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) عیدالفطر کے دن درج ذیل کام مسنون ہیں:

(الف) غسل کرنا۔ (ب) مسواک کرنا۔

(ج) عمدہ کپڑے جو میسر ہوں پہننا۔ (د) خوشبو لگانا۔

(ہ) بالوں میں کنگھا وغیرہ کرنا۔

(۲) صبح سویرے اُٹھ کر عیدگاہ جلد پہنچنے کی کوشش کی جائے۔ نمازِ عید کے لئے جانے سے پیشتر کوئی میٹھی چیز کھانا مسنون ہے۔

(۳) عیدگاہ جانے سے پہلے صدقہ فطر ادا کرنا چاہئے۔

(۴) عید کی نماز پڑھنے کے لئے ایک راستے سے جائے اور نماز کے بعد دوسرے راستے سے واپس آئے، عیدگاہ میں اگر ممکن ہو تو پیدل چل کر جائے۔

(۵) راستے میں یہ تکبیریں آہستہ آہستہ پڑھے:

اَللّٰہُ اَکْبَر اَللّٰہُ اَکْبَر لَااِلٰہَ اِلَّااللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَر اَللّٰہُ اَکْبَر وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ.

(۶) نمازِ عید کے لئے جماعت شرط ہے۔ لہٰذا اگر کسی وجہ سے کوئی نمازِ عید کی جماعت میں شریک نہیں ہو سکا تو وہ تنہا نمازِ عید نہیں پڑھ سکتا۔

(۷) عید کے دن نمازِ عید سے پہلے نمازِ اشراق یا دیگر نوافل پڑھنا مکروہ ہیں۔ عورتوں، مریضوں اور مسافروں کے لئے بھی یہی حکم ہے۔

عیدالفطر کی نماز پڑھنے کا طریقہ

(۸) عیدالفطر کی نماز میں دو رکعت ہوتی ہیں، جن میں چھ تکبیریں زائد کہی جاتی ہیں۔

(۹) پہلی رکعت میں سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ.... الخ پڑھنے کے بعد ہاتھ چھوڑ کر تین زائد تکبیریں کہی جاتی ہیں، اس کے بعد امام قرأت کرے گا اور رکوع اور سجود کر کے پہلی رکعت مکمل کرے گا۔ اور دوسری رکعت میں قرأت کے بعد رکوع سے پہلے ہاتھ چھوڑ کر تین زائد تکبیریں کہی جاتی ہیں۔ نماز کا بقیہ حصہ حسبِ معمول مکمل کرے۔

(۱۰) نماز کے بعد امام سنت کے مطابق خطبہ پڑھے گا، یہ خطبہ سننا واجب ہے۔

مجلس مشاورت

حضرت مولانا مفتی عبدالقدیر (چشتیاں)
حضرت مولانا مفتی عبدالغنی قاسمی (لاہور)
حضرت مولانا مفتی محمد مختار حسن (نوشہرہ)
حضرت مولانا صاحبزادہ عبدالقادر دین پوری (بہاولنگر)
حضرت مولانا صاحبزادہ رشید احمد (ڈیرہ اسماعیل خان)
حضرت سید مطلوب علی زیدی (لاہور)
حضرت مولانا مفتی محمد اشرف عاطف (سعودی عرب)
حضرت مولانا محمد اشرف اثر (حیدرآباد)
حضرت ڈاکٹر لیاقت علی شاہ معصومی (سکھر)
حضرت حاجی محمد بلال بلوچ (قاضی احمد)
محترم ڈاکٹر عبدالرحمٰن راؤ (سرگودھا)
محترم انجینئر آفتاب احمد عباسی (کراچی)
حضرت مولانا عبداللہ عابد سندھی (شکارپور)
حضرت مولانا پروفیسر ڈاکٹر تاج افسر (اسلام آباد)
حضرت مولانا محمد ناصر عبدالعزیز (جھنگ)
حضرت مولانا قاضی محمد یوسف (حسن ابدال)
حضرت مولانا مفتی محمد انور شاہ (کوئٹہ)
محترم سید خالد ریاض بخاری (سعودی عرب)
محترم قاری محمد ایاز جدون (مانسہرہ)

پرچہ ہر ماہ کی 3 اور 4 تاریخ کو ارسال کر دیا جاتا ہے۔
ممبرشپ کی رقومات کی ترسیل بنام
''رحیمیہ لاہور'' میزان بینک قرطبہ چوک برانچ لاہور
اکاؤنٹ نمبر: 0219-0100328009 پر کریں!

مدیرِ اعلیٰ مفتی عبدالخالق آزاد طابع و ناشر نے
اے۔ جے پرنٹرز 28/A نسبت روڈ، لاہور سے چھپوا کر
دفتر ماہنامہ ''رحیمیہ'' رحیمیہ ہاؤس
33/A کوئینز روڈ، لاہور سے جاری کیا۔